لتجدنّ اشدّ الناس عداوة للذین امنوا الیهود (القرآن)
تم اہلِ ایمان کا سب سے بڑا دشمن یہود کو پاؤ گے
فضیلتِ
بیت المقدس فلسطین اور شام
تاریخی پس منظر، یہودی کردار اور صیہونیت کے
مظالم و مکروہ عزائم کی تفصیلات پر مشتمل ایک چشم کشا کتاب
www.KitaboSunnat.com
تالیف و ترتیب
حافظ محمد اسحق زاہد
دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ

تم اہلِ ایمان کا سب سے بڑا دشمن یہود کو پاؤ گے (القرآن)

فضیلتِ بیت المقدس فلسطین اور شام

تاریخی پس منظر، یہودی کردار اور صیہونیت کے مظالم و مکروہ عزائم کی تفصیلات پر مشتمل ایک چشم کشا کتاب

تالیف و ترتیب

حافظ محمد اسحٰق زاہد

دارُالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور

لندن • هیوسٹن • نیو یارک

DARUSSALAM

Personal
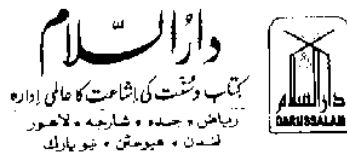
ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون : 4033962-4043432 (00966 1) فیکس :4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس:4614483

جدہ فون وفیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون:7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس:7354072 ای میل:darussalampk@hotmail.com

② رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون:7120054 فیکس:7320703

لندن فون:5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون :7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیو یارک فون: 6255925 (001 718)

Website: http://www.dar-us-salam.com

تعداد : 1100 ایڈیشن : جنوری 2002

مطبع : احمد پرنٹنگ پریس 50 لوئر مال لاہور فون 7240024

فہرست مضامین

❁ ❁ ❁

عرضِ ناشر

بیسویں صدی کے حادثات و سانحات میں سب سے بڑا سانحہ مسئلہ فلسطین ہے۔ یہود و نصاریٰ نے یہ مسئلہ پیدا کر کے گویا عالم اسلام کے دل میں خنجر گھونپ رکھا ہے۔ یہود صدیوں مغضوبِ زمانہ رہے تھے اور مسیحیان یورپ نے قرون وسطیٰ میں ان پر بھی رونگٹے کھڑے کر دینے والے مظالم ڈھائے تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یہودیوں اور عیسائیوں میں مسلمانوں کے خلاف گٹھ جوڑ ہو گیا اور پہلی عالمی جنگ میں صہیونی یہودیوں نے اپنی بے پایاں دولت برطانیہ کے لیے جنگی وسائل فراہم کرنے میں جھونک دی اور اس کے عوض اعلانِ بالفور کی شکل میں ارض فلسطین میں یہودیوں کی آباد کاری اور ایک یہودی مملکت کے قیام کا عہد لے لیا۔ اس خفیہ گٹھ جوڑ کے مطابق برطانیہ نے فلسطین پر قبضہ جمانے کے بعد یورپی یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کا اہتمام کیا اور آخر کار ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کا قیام عمل میں آ گیا۔ یورپ سے آئے ہوئے غاصب یہودیوں نے ہزاروں سال سے فلسطین میں آباد فلسطینیوں کو ان کی زمینوں اور جائیدادوں سے بے دخل کر کے انھیں کیمپوں میں نہایت ابتر حالت میں زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا۔ اور تاریخ کی ستم ظریفی یہ ہے کہ وہ نام نہاد ''اقوام متحدہ'' جس کا قیام دوسری جنگ عظیم کے بعد اس لیے عمل میں لایا گیا تھا کہ قوموں کے باہمی تنازعات کا منصفانہ حل پیش کرے اور عالمی جنگوں جیسی خونریزی دوبارہ نہ ہونے پائے اسی اقوام متحدہ نے صریحاً دھاندلی کی اور یہود و نصاریٰ کی خفیہ پخت و پز کے مطابق شرق اوسط میں ایک مستقل نزاع اور خونریزی کی بنیاد رکھ دی۔ یہود تقریباً تین ہزار سال پہلے فلسطین میں آباد ہوئے اور کچھ عرصے کے لیے حکمران رہے تھے۔ شمالی فلسطین پر ان کا قبضہ زیادہ سے زیادہ چار پانچ سو سال رہا تھا اور جنوبی فلسطین میں یہ آٹھ نو سو سال آباد رہے تھے جبکہ عرب قبائل دو اڑھائی ہزار سال سے

فلسطین میں آباد چلے آرہے تھے مگر یہود و نصاریٰ کی بنا کردہ "اقوام متحدہ" نے یہود کا حق فائق گردانا اور انھیں فلسطین میں اپنی مملکت قائم کرنے کی اجازت دیتے ہوئے ارضِ فلسطین کو یہودیوں اور عربوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر اس تقسیم میں بھی صریحاً ناانصافی کی گئی۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قراردادِ تقسیم منظور کرتے ہوئے ساڑھے بارہ لاکھ فلسطینی عربوں کے لیے تو فلسطین کا ۴۵ فیصد رقبہ مخصوص کیا مگر چھ لاکھ یہودیوں کو ۵۵ فیصد علاقہ بخش دیا اور ظالم و جارح یہودیوں نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ پہلی عرب اسرائیل جنگ کے دوران فلسطین کا ۷۸ فیصد تک رقبہ ہتھیا لیا اور پھر انیس برس بعد تیسری عرب اسرائیل کی جنگ میں پورا فلسطین اور بیت المقدس یہودیوں کے تسلط میں چلا گیا۔

اس شرمناک دھاندلی کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ گزشتہ نصف صدی کے دوران اسرائیلی یہودیوں کی جارحانہ کارروائیوں اور جنگوں میں ہزاروں لاکھوں فلسطینی مسلمان شہید، زخمی یا بے گھر ہو چکے ہیں اور لاکھوں افراد مقبوضہ فلسطین کے اندر یا آس پاس کے ملکوں میں کیمپوں کے اندر قابل رحم حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور اقوام متحدہ اور اس کے کرتا دھرتا امریکہ اور یورپ کے ممالک یہودیوں کے سرپرست اور پشتیبان بنے ہوئے ہیں۔

اسرائیل ایک توسیع پسند ملک ہے، وہ اپنی حدود کو مصر سے عراق اور مدینہ منورہ سمیت حجاز تک پھیلانا چاہتا ہے، اسی لیے اسرائیلی پارلیمنٹ کی عمارت کی پیشانی پر یہ الفاظ کندہ ہیں: "اے اسرائیل! تیری حدیں نیل سے فرات تک ہیں۔" یہودیوں کے اس مکروہ منصوبے کے باوجود مسلمانوں کی آنکھیں کب کھلیں گی؟

ستم یہ ہے کہ پچپن چھپن اسلامی ممالک خواب غفلت میں پڑے ہیں اور کسی کو احساس نہیں کہ ان کے بھائی فلسطینی مسلمان یہودیوں کے ہاتھوں بے پناہ مصائب برداشت کر رہے ہیں نیز بیت المقدس یہودیوں کے غاصبانہ کنٹرول میں ہے جبکہ وہاں مسجد اقصیٰ بھی ہے جو

مسلمانوں کا قبلۂ اوّل ہے اور یہودیوں نے اسے مسمار کر کے وہاں ہیکل سلیمانی از سرِ نو تعمیر کرنے کا تہیہ کر رکھا ہے جسے پہلی صدی عیسوی میں بت پرست رومیوں نے مسمار کر دیا تھا۔ دس سال پہلے ظالم بھارتی ہندوؤں نے اجودھیا میں تاریخی بابری مسجد شہید کر دی' حال ہی میں افغانستان میں سینکڑوں مساجد امریکیوں اور برطانویوں کے جارحانہ حملے اور بے پناہ بمباری میں شہید کر دی گئی ہیں۔ اب اگر اسرائیل یہودیوں نے موقع پا کر مسجد اقصیٰ بھی شہید کر دی تو یہ عالم اسلام کا بے پناہ نقصان ہو گا جس کی تلافی کبھی نہ ہو سکے گی۔

عالم اسلام کو خواب غفلت سے جگانے اور مسئلہ فلسطین کو اجاگر کرنے کے لیے جمعیۃ التراث الاسلامی کویت نے ایک ڈیڑھ سال پہلے "ہفتہ اقصیٰ" منایا' مسئلہ فلسطین پر لیکچرز کا اہتمام کیا اور بیت المقدس پر مطبوعہ لٹریچر تقسیم کیا۔ اس لٹریچر کا ایک نسخہ حافظ محمد اسحاق کو ملا تو انھوں نے اسے مفید پا کر اُردو میں ڈھالنے کا بیڑا اٹھایا تاکہ غیر عربی دان حضرات بھی اس مسئلے سے آگاہ ہو سکیں۔ ہمارے ادارے کے ریسرچ فیلو مولانا شفیق الرحمٰن فرخ نے اُردو مسوّدے پر نظر ثانی اور تصحیح و تخریج کا فریضہ ادا کیا اور معروف صحافی اور تاریخ دان محسن فارانی نے کتاب پر نظر ثالث ڈالنے کے علاوہ اس کے آخر میں تاریخی نوعیت کے تین ابواب (حصہ پنجم' حصہ ششم اور حصہ ہفتم) تحریر کر کے مسئلہ فلسطین کے ان گوشوں کو تشنت از بام کیا ہے جو عوام الناس کی نظروں سے بالعموم اوجھل رہتے ہیں۔ ہم ان سب محترم بھائیوں کے بے حد ممنون ہیں جنھوں نے اس کتاب کی تالیف و تدوین میں حصہ لیا اور اس کی طباعت و اشاعت میں مدد و معاون ثابت ہوئے۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خادم کتاب وسُنّت

عبدالمالک مجاھد

مدیر : دارالسلام' الریاض - لاہور

مُقَدِّمَة

یہ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء کا دن تھا جب ایک انتہا پسند یہودی لیڈر' ایریل شیرون' (موجودہ اسرائیلی وزیرِ اعظم) ہزاروں یہودی فوجیوں کے حصار میں مسلمانوں کے قبلۂ اول ''مسجد اقصیٰ'' میں داخل ہوا اور پوری دیدہ دلیری سے اس کا تقدس پامال کیا، اس پر فلسطینی مسلمانوں کی دینی غیرت جاگ اٹھی، اور انھوں نے اس مقدس سرزمین کی بے حرمتی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، یہودی فوجیوں نے ان پر گولی چلادی جس سے متعدد فلسطینی مسلمان جامِ شہادت نوش کر گئے اور بیسیوں کی تعداد میں زخمی ہو گئے۔

اس واقعہ کے پیش آنے کے بعد سے اب تک فلسطینیوں اور یہودیوں کے درمیان مسلسل جنگ جاری ہے، ذرائع ابلاغ کی اطلاعات کے مطابق اب تک کوئی سات سو سے زیادہ مسلمان شہید اور پندرہ ہزار سے زائد زخمی ہو چکے ہیں، ایک طرف نہتے مسلمان ہیں اور دوسری طرف جدید ترین اسلحہ سے لیس یہودی فوج' جو کہ بیت المقدس، الخلیل، غزۃ اور رام اللہ جیسے اہم شہروں پر مسلسل بمباری کر رہی ہے، بے گناہ مسلمان شہید ہو رہے ہیں، جہاد میں برسرِ پیکار متعدد فلسطینی تنظیموں کے دفاتر اور دینی مراکز کو صفحۂ ہستی سے مٹایا جا رہا ہے۔ اگر فلسطینی مسلمان اپنا جائز حق لینے اور اپنے مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کی خاطر غاصب یہودی فوج پر سنگ باری کرتے ہیں تو اس کے جواب میں کلاشنکوف چلتی ہے، راکٹ برستے ہیں، مخصوص نشانوں پر میزائل پھینکے جاتے ہیں اور ایسا خطرناک اسلحہ آگ اگلنے لگتا ہے جس کا شہری آبادی میں استعمال بین الاقوامی قانون کے مطابق ممنوع ہے...... یہ سب کچھ آخر کس جرم کی پاداش میں ہو رہا ہے؟ کیا اپنی جان، عزت، زمین اور مقاماتِ مقدسہ کا دفاع کرنا جرم ہے؟ کیا اپنی غصب شدہ اراضی کی واپسی اور ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے قیام کا مطالبہ کرنا ایسا سنگین

جرم ہے کہ مطالبہ کرنے والے نہتے مسلمانوں کا گلا گھونٹنا اور انھیں نیست ونابود کرنا ضروری ہو گیا ہے؟ جو کچھ فلسطینی مسلمانوں پر بیت رہی ہے اور جس انداز سے ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے کیا اس سے انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہورہی؟ کہاں ہیں انسانی حقوق کے دعویدار؟ کیا فلسطینی مسلمانوں کو ان حقوق سے محروم نہیں کیا جارہا جن کی پاسداری کا وہ ڈھنڈورا پیٹتے ہیں؟ کسی کا ضمیر مردہ ہو چکا ہو تو اور بات ہے ورنہ دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ فلسطین میں ہونے والے ان اندوہناک مظالم کا تذکرہ کررہے ہیں جنہیں سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں......اس کے باوجود انسانی حقوق کے ڈھنڈورچیوں کا خاموش رہنا اور اسرائیلی مظالم کے خلاف آواز بلند نہ کرنا منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟

پھر وہ جو مسلمانوں کو ''دہشت گرد'' باور کراتے اور اس کے متعلق خوب پروپیگنڈہ کرتے ہیں، کیا انھیں اسرائیلی ''دہشت گردی'' نظر نہیں آتی؟ ان کی زبانوں پر تالے کیوں لگ گئے ہیں؟ انسانیت کے خلاف ہونے والی اس بدترین ''دہشت گردی'' پر ان کا ضمیر کیوں نہیں بیدار ہوتا؟

اگر مشرقی ''تیمور'' کے مسیحی باشندے آزاد ریاست کا مطالبہ کریں تو عالمی طاقتیں فوراً حرکت میں آجائیں اور ہفتہ عشرہ میں ریفرنڈم عمل میں آجائے اور بالآخر ایک آزاد ریاست کا اعلان بھی کردیا جائے!! اور یہی مطالبہ اگر فلسطینی باشندے کریں تو کسی کے کانوں پر جوں تک نہ رینگے!! اور یہی مطالبہ بوسنیا، کوسووا اور کشمیر کے مسلمان بھی کررہے ہیں لیکن عالمی طاقتوں نے چپ سادھ رکھی ہے......پھر یہ دورخی پالیسی کیوں ہے؟ دراصل ان تمام سوالوں کا جواب اللہ رب العزت نے بہت پہلے ہی دے رکھا ہے:

﴿ وَمَا نَقَمُوا۟ مِنْهُمْ إِلَّآ أَن يُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ ٱلْعَزِيزِ ٱلْحَمِيدِ ۝٨ ﴾ (البروج ۸۵/۸)

''ان سے صرف اس بات کا انتقام لیا جارہا ہے کہ وہ غالب اور تعریف کے لائق اللہ پر ایمان لائے ہیں!''

''اسرائیلی دہشت گردی'' کے متعلق عالمی طاقتوں کی یہ منافقانہ پالیسی مستقل نوعیت کی ہے' اور یہ کوئی حیرت کی بات بھی نہیں کیونکہ اسرائیلی دہشت گرد یہودی ہیں اور ایک قرآنی آیت کے مطابق یہودی مسلمانوں کے ''بدترین دشمن'' ہیں' اور اَلْکُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ کے تحت مسلم دشمنی ہر کافر کے دل میں موجود ہے، خواہ وہ یہودی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا کوئی اور، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا﴾ (آل عمران: ۳/ ۱۲۰) سے تو حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مسلمانوں پر اگر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو دنیا بھر کے کفار بغلیں بجاتے اور خوشیاں مناتے ہیں۔ انسانی حقوق اور عالمی امن وسلامتی کے متعلق کافروں کی دورخی پالیسی تو عیاں ہے لیکن جو چیز سمجھ سے بالا ہے اور جس پر دل خون کے آنسو روتا ہے وہ مسلمانانِ عالم کی بے حسی ہے !! کیونکہ اپنے مظلوم بھائیوں کی مدد کیلئے خود مسلمانوں نے بھی سوائے احتجاج اور مظاہروں کے کچھ نہیں کیا، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے تمام مومنوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا ہے' اس کا ایک عضو بیمار ہو تو سارا جسم اس کی وجہ سے بے قرار ہو جاتا ہے، اور آج عالم اسلام کے جسم پر ایک نہیں بے شمار زخم لگ چکے ہیں، خونِ مسلم اس قدر ارزاں ہو چکا ہے کہ پانی کی طرح بہہ رہا ہے اور زخم خوردہ جسم سسکیاں لے لے کر رو رہا ہے...... کہاں ہیں وہ اہل ایمان جو مظلوم عالمِ اسلام کو ظلم سے نجات دلانے کیلئے بے قرار ہوں؟

ایک تو اپنے مظلوم بھائیوں کے متعلق مسلمانانِ عالم کا یہ افسوسناک رویہ ہے اور دوسرا پلید یہودیوں کے ہاتھوں ''بیت المقدس'' اور ''مسجد اقصیٰ'' کی آئے دن بے حرمتی اور اسے درپیش سنگین خطرات کے بارے میں ان کی المناک خاموشی اور غیر ذمہ دارانہ پالیسی ہے...... وہ مسجد اقصیٰ جو مسلمانوں کا قبلۂ اول ہے، اور جہاں سے رسول اکرم ﷺ کو معراج کرایا گیا، اور جہاں آپ ﷺ نے انبیاء کی امامت کرائی، اور جسے اللہ رب العزت نے ''بابرکت'' قرار دیا، اور وہ بیت المقدس کہ جہاں متعدد انبیاء مبعوث ہوئے، اور جس کی طرف حضرت ابراہیم

خلیل اللہ علیہ السلام نے ہجرت کی، اور جس میں دفن ہونے کیلئے حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے دعا کی، اور جسے رسول اللہ ﷺ نے ''سرزمینِ محشر'' قرار دیا ...... اس میں آج ناپاک یہودی دندناتے پھر رہے ہیں، بے گناہ مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے درپے ہیں!!

کیا مسلمانوں کے پاس اپنے قبلۂ اول اور اپنی اس مقدس اور بابرکت زمین کی حفاظت اور اس کے دفاع کیلئے پیسہ اور اسلحہ نہیں؟ اور کیا ان کی تعداد اس قدر کم ہے کہ وہ انسانیت کا منہ چڑانے والے ان دہشت گرد کافروں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہے؟ کیا وہ اتنے بے بس اور عاجز ہو چکے ہیں کہ اپنے مقاماتِ مقدسہ کے تحفظ اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کیلئے محض بیانات داغنے اور صرف مطالبے کرنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے؟

اکتوبر ۲۰۰۰ء میں قاہرہ میں عرب سربراہ کانفرنس ہوئی، اسرائیل کی مذمت کی گئی' احتجاج کیا گیا، اور قراردادیں پاس کی گئیں ...... پھر دوحہ میں مسلمانانِ عالم کے زعماء جمع ہوئے' وہاں بھی مذمت، احتجاج اور قراردادوں کے سوا کچھ نہ ہوا ...... مارچ ۲۰۰۱ء میں اردن کے دار الحکومت عمان میں عرب سربراہان ایک بار پھر جمع ہوئے اور اس میں بھی سوائے قراردادِ مذمت کے کچھ پاس نہ ہوا، ہاں ان کانفرنسوں میں ایک مثبت قدم یہ اٹھایا گیا کہ فلسطینی شہداء کے ورثاء کی مالی امداد اور مجاہدینِ فلسطین کیلئے دس ملین ڈالر اکٹھے کرنے کی تجویز پاس کی گئی، اور اس سلسلے میں سعودیہ نے اس رقم کا چوتھا حصہ ادا کرنے کی پیش کش کی، پھر کویت نے ایک لاکھ پچاس ہزار ڈالر اور اتنی ہی رقم متحدہ عرب امارات نے بھی ادا کرنے کا اعلان کیا، یہ ایک بہت اچھا فیصلہ تھا لیکن یہ کافی نہیں کیونکہ فلسطینیوں پر ہونے والے مظالم تا حال جاری ہیں، اور مسجد اقصیٰ کو درپیش خطرات بھی ابھی تک نہیں ٹلے، بلکہ ان دونوں کانفرنسوں کے بعد اسرائیلی دہشت گردی میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوا ہے' خاص طور پر فروری ۲۰۰۱ء میں اپریل

شیرون نے وزیرِ اعظم منتخب ہونے کے بعد مارچ میں اپنا منصب سنبھالا تو اسرائیلیوں سے وعدہ کیا کہ اسے صرف سو دن دے دیے جائیں جن میں وہ فلسطینیوں کو سبق سکھا دے گا! چنانچہ اس کے بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ شیرون فلسطینیوں کا صفایا کر دینے پر تلا ہوا ہے اور امن وسلامتی کیلئے قطعی طور پر سنجیدہ نہیں، اس دوران لبنان میں شام کے فوجی اڈے پر بمباری کی گئی، اور ۱۸ مئی کو اسرائیل کے ایف سولہ طیاروں کی جانب سے فلسطینی علاقوں کو وحشیانہ طور پر نشانہ بنایا گیا' شیرون کے سو دن گذر جانے کے بعد بھی جب فلسطین کی تحریکِ انتفاضہ اقصیٰ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تو اب خفت کے مارے اس بدبخت نے فلسطینیوں کے گھروں کو منہدم کرنا شروع کر دیا ہے اور عالمِ اسلام کو چیلنج کرتے ہوئے اس نے کہا ہے کہ آئندہ سالوں میں فلسطین کی سرزمین پر مزید ایک ملین یہودیوں کو آباد کیا جائے گا۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس مسئلے کا حل کانفرنسیں منعقد کرنا اور قراردادیں پاس کرنا نہیں، اب اس کا وقت گذر چکا، اب تو اس بہیمیت کے خاتمے اور بیت المقدس کو یہودیوں کے قبضے سے آزاد کرانے کیلئے فوری عملی اور مؤثر اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔اس بات کا احساس نہ صرف عرب راہنماؤں کو بلکہ عالمِ اسلام کے تمام ذمہ داروں کو ہونا چاہئے کیونکہ ''بیت المقدس'' صرف عربوں کا نہیں' دنیا کے سب مسلمانوں کا ہے،اور اس کے ایک ایک انچ کا دفاع کرنا ، اسے ناپاک یہودیوں کے چنگل سے آزاد کرانا اور اس کی اسلامی حیثیت کو بحال کرانا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے،اور شاید اب عرب بھی آہستہ آہستہ اس بات کا احساس کرنے لگے ہیں چنانچہ ایک خوش آئند خبر یہ ہے کہ قاہرہ میں عرب وزرائے خارجہ نے اسرائیل کے ساتھ تمام سیاسی تعلقات ختم کر دینے کی تجویز پاس کی ہے......اب آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا!

نومبر ۲۰۰۰ء میں ''جمعية إحياء التراث الإسلامی كويت '' نے (بیت المقدس ہمارا ہے) کے عنوان کے تحت دوسرا ''ہفتہ اقصیٰ'' منایا، جس میں مسجد اقصیٰ کی فضیلت ، تاریخ اور

اس کے خلاف یہودی سازشوں پر متعدد لیکچرز دیے گئے، نیز اس کے بارے میں ایک تصویری نمائش کا اہتمام کیا گیا' اور فضائل بیت المقدس کے متعلق لٹریچر بھی تقسیم کیا گیا' سو اللہ رب العزت جمعیۃ إحیاء التراث الإسلامی کے ذمہ داروں کو جزائے خیر دے جنھوں نے اس اہم مسئلے کو کویت کی سرزمین پر ایک بار پھر زندہ کر کے احساس ذمہ داری کا ثبوت فراہم کیا ہے۔

اسی طرح محترم جناب عارف جاوید محمدی صاحب کو بھی اللہ جزائے خیر عطا کرے جنھوں نے اس لٹریچر کا ایک نسخہ مجھ تک بھی پہنچایا' میں نے اسے پڑھا تو بہت ہی مفید پایا۔ چونکہ اردو زبان میں میری معلومات کے مطابق اس طرح کا لٹریچر موجود نہیں تھا اس لئے میں نے سوچا کہ اس کو اختصار کے ساتھ اردو زبان میں منتقل کر دیا جائے تاکہ عربی زبان سے ناآشنا لوگ بھی اس اہم مسئلے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔ پھر کچھ اور کتابیں بھی مجھے اس موضوع پر مل گئیں، جن سے میں نے اس کتابچے کی تیاری میں استفادہ کیا ہے' خاص طور پر یہود کے متعلقہ مباحث میں۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ میری اس ادنیٰ سی کاوش کو قبول فرمائے اور مسلمانوں کے قبلۂ اول کو آزاد اور دنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کی مدد فرمائے۔ آمین۔

میں آخر میں اللہ رب العزت کا شکر بجا لاتا ہوں کہ صرف اس کی توفیق سے یہ ادنیٰ سی کوشش عمل میں آئی' پھر دار السلام لاہور کے مینجر جناب حافظ عبد العظیم صاحب کا بھی شکر گزار ہوں جن کی ذاتی دلچسپی اور خصوصی اہتمام کی بناء پر یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہو سکی اور اسی طرح برادرم جناب مولانا شفیق الرحمٰن فرخ صاحب کا بھی تہ دل سے ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب پر نظر ثانی فرمائی' اس کے مراجع وحوالہ جات میں تصحیح اور کئی اہم اضافے کیے اور اس کی پروف ریڈنگ میں اچھی خاصی محنت کی' اللہ تعالیٰ ان دونوں حضرات کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

حافظ محمد اسحاق (عفا اللہ عنہ)

کویت

حصہ اوّل

شام‘ فلسطین اور
بیت المقدس کی فضیلت

- شام‘ فلسطین اور بیت المقدس کی فضیلت‘ قرآن کی رو سے
- شام‘ فلسطین اور بیت المقدس کی فضیلت‘ احادیثِ نبویہ کی روشنی میں
- سرزمینِ فلسطین اور انبیاء
- سرزمینِ فلسطین اور خونِ شہداء
- سرزمینِ فلسطین اور علماء

شام، فلسطین اور بیت المقدس کی فضیلت

﴿ قرآنی آیات میں ﴾

متعدد قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ میں شام، فلسطین اور بیت المقدس کی سرزمین کی فضیلت بیان کی گئی ہے، تو آئیے سب سے پہلے قرآنی آیات اور ان کی مختصر تفسیر پڑھ لیجیے، پھر احادیث نبویہ ذکر کی جائیں گی:

﴿ وَأَرَادُوا بِهِۦ كَيْدًا فَجَعَلْنَٰهُمُ ٱلْأَخْسَرِينَ ﴿٧٠﴾ وَنَجَّيْنَٰهُ وَلُوطًا إِلَى ٱلْأَرْضِ ٱلَّتِى بَٰرَكْنَا فِيهَا لِلْعَٰلَمِينَ ﴿٧١﴾ ﴾ (الأنبياء٢١/ ٧٠-٧١)

''گو انھوں نے ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا لیکن ہم نے انھیں ناکام بنا دیا اور ہم نے ابراہیم اور لوط (علیہما السلام) کو نجات دے کر اس سرزمین پر پہنچا دیا جس میں ہم نے تمام جہان والوں کے لیے برکت رکھی تھی''۔

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ اس بابرکت سرزمین کے متعلق کہتے ہیں:

«هِيَ أَرْضُ الشَّام. . . وَإِنَّمَا اخْتَرْنَا مَا اخْتَرْنَا مِنَ الْقَوْلِ فِي ذٰلِكَ لأَنَّهُ لاَ خِلاَفَ بَيْنَ جَمِيعِ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنَّ هِجْرَةَ إِبْرَاهِيمَ مِنَ الْعِرَاقِ كَانَتْ إِلَى الشَّامِ، وَبِهَا كَانَ مُقَامُهُ أَيَّامَ حَيَاتِهِ، وَإِنْ كَانَ قَدِمَ مَكَّةَ وَبَنَى بِهَا الْبَيْتَ، وَأَسْكَنَهَا إِسْمَاعِيلَ ابْنَهُ مَعَ أُمِّهِ هَاجَرَ غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يُقِمْ بِهَا وَلَمْ يَتَّخِذْهَا وَطَنًا لِنَفْسِهِ وَلاَ لُوطٌ» (تفسير الطبري: ١٧/ ٤٦، ٤٧)

''اس بابرکت سرزمین سے مراد شام کی سرزمین ہے، اور ہم نے اس کی یہ تفسیر اس لیے کی ہے کہ تمام اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے شام ہی کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے جہاں آپ نے زندگی کے باقی ایام گذار دیے۔

ہاں آپ مکہ ضرور گئے اور وہاں بیت اللہ بھی تعمیر کیا' اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی ان کی ماں ہاجرہ کے ہمراہ وہاں ٹھہرایا لیکن خود وہاں نہیں ٹھہرے' اور نہ ہی اسے اپنے لیے اور حضرت لوط علیہ السلام کے لیے وطن بنایا''۔

اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«يَقُولُ تَعَالَى مُخْبِرًا عَنْ إِبْرَاهِيمَ أَنَّهُ سَلَّمَهُ اللهُ مِنْ نَارِ قَوْمِهِ وَأَخْرَجَهُ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِهِمْ مُهَاجِرًا إِلَى بِلَادِ الشَّامِ إِلَى الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ مِنْهَا»(تفسير ابن كثير: ٣/ ٢٤٨)

''ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خبر دی ہے کہ اللہ نے انھیں ان کی قوم کی تیار کردہ آگ سے نجات دی اور وہ ہجرت کر کے ملکِ شام کی مقدس سرزمین کی طرف چلے گئے''۔

اور علامہ عبدالرحمٰن السعدی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«أَيِ الشَّامِ... وَمِنْ بَرَكَةِ الشَّامِ أَنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ كَانُوا فِيهَا، وَأَنَّ اللهَ اخْتَارَهَا مُهَاجِرًا لِخَلِيلِهِ، وَفِيهَا أَحَدُ بُيُوتِهِ الثَّلَاثَةِ الْمُقَدَّسَةِ وَهُوَ بَيْتُ الْمَقْدِسِ»(تيسير الكريم الرحمان في تفسير كلام المنان: ٧١٤)

''اس بابرکت سرزمین سے مراد سرزمینِ شام ہے...... اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سرزمین پر بہت سارے انبیاء کو مبعوث فرمایا' اور دوسری یہ کہ اسی سرزمین کو ابراہیم علیہ السلام کی جائے ہجرت کے لیے منتخب فرمایا' اور تیسری یہ کہ اسی سرزمین پر اللہ کے تین مقدس گھروں میں سے ایک گھر واقع ہے اور وہ بیت المقدس ہے''۔

(یاد رہے ماضی میں فلسطین ملکِ شام ہی کا حصہ شمار ہوتا تھا۔)

﴿ وَلِسُلَيْمَٰنَ ٱلرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِۦٓ إِلَى ٱلْأَرْضِ ٱلَّتِي بَٰرَكْنَا فِيهَا ﴾

(الأنبياء ٢١/ ٨١)

''ہم نے تند و تیز ہوا کو سلیمان (علیہ السلام) کے تابع کر دیا جو ان کے فرمان کے مطابق اس

زمین کی طرف چلتی تھی جہاں ہم نے برکت دے رکھی تھی۔''

امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«يَقُولُ: تَجْرِي الرِّيحُ بِأَمْرِ سُلَيْمَانَ إِلَى الأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا يَعْنِي إِلَى الشَّامِ، وَذٰلِكَ أَنَّهَا كَانَتْ تَجْرِي بِسُلَيْمَانَ وَأَصْحَابِهِ إِلٰى حَيْثُ شَاءَ سُلَيْمَانُ، ثُمَّ تَعُودُ بِهِ إِلٰى مَنْزِلِهِ بِالشَّامِ»
(تفسير الطبري: ۱۷/ ۵۵)

''اللہ رب العزت فرماتے ہیں: کہ ہوا حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے حکم پر بابرکت سرزمین یعنی شام کی طرف چلتی تھی، اور اس سے مراد یہ ہے کہ ہوا حضرت سلیمان اور ان کے ساتھیوں کو، جہاں حضرت سلیمان چاہتے، لے جاتی تھی، اور پھر انھیں ان کے گھر شام میں واپس لے آتی تھی''۔

﴿ يَٰقَوْمِ ٱدْخُلُوا۟ ٱلْأَرْضَ ٱلْمُقَدَّسَةَ ٱلَّتِى كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ ﴾ (المائدة: ٥/ ٢١)

''اے میری قوم! اس مقدس زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمھارے نام لکھ دی ہے''۔

اس آیت میں مقدس سرزمین سے مراد فلسطین اور بیت المقدس ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اس میں داخل ہونے کا حکم دیا اور انھیں یقین دہانی کرائی کہ اللہ نے اسے تمھارے لئے ہی لکھ رکھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ فلسطین کی سرزمین ان لوگوں کے لیے ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتے ہیں نہ کہ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے پہلے شریعتِ موسوی کو ماننے سے انکار کیا، پھر توراۃ میں تحریف کر ڈالی اور آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وشریعت کو بھی تسلیم نہ کیا۔

﴿ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ ٱلْقُرَى ٱلَّتِى بَٰرَكْنَا فِيهَا قُرًى ظَٰهِرَةً ﴾ (سبأ: ٣٤/ ١٨)

''اور ہم نے ان کے اور ان بستیوں کے درمیان، جن میں ہم نے برکت دے رکھی تھی، چند بستیاں اور (آباد) کر رکھی تھیں جو برسرِ راہ ظاہر تھیں''۔

اس آیت میں برکت والی بستیوں سے مراد شام کی بستیاں ہیں، بہت سارے مفسرین مثلاً

مجاہد، قتادہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، زید بن اسلم اور ضحاک وغیرہ رحمہم اللہ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ (دیکھیے: تفسیر ابن جریر الطبری و تفسیر ابن کثیر)

﴿ وَٱلتِّينِ وَٱلزَّيْتُونِ ۝١ وَطُورِ سِينِينَ ۝٢ وَهَٰذَا ٱلْبَلَدِ ٱلْأَمِينِ ۝٣ ﴾ (التین ۹۵/ ۱۔۳)

''قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی، اور طورِ سینا کی، اور اس امن والے شہر کی''۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان آیات کی تفسیر میں بعض ائمہ کرام سے نقل کیا ہے کہ یہ دراصل تین مقاماتِ مقدسہ کی قسم ہے، جہاں اللہ رب العزت نے تین اولو العزم پیغمبروں کو مبعوث فرمایا۔ پہلا مقام وہ ہے جہاں انجیر اور زیتون کی پیداوار ہوتی ہے، اور وہ ہے بیت المقدس، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ دوسرا مقام طورِ سینا ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی۔ اور تیسرا مقام مکہ مکرمہ ہے جہاں سید الرسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔'' (تفسیر ابن کثیر ۴/ ۶۸۱)

﴿ وَأَوْرَثْنَا ٱلْقَوْمَ ٱلَّذِينَ كَانُوا۟ يُسْتَضْعَفُونَ مَشَٰرِقَ ٱلْأَرْضِ وَمَغَٰرِبَهَا ٱلَّتِى بَٰرَكْنَا فِيهَا ﴾ (الأعراف ۷/ ۱۳۷)

''اور ہم نے اس قوم کو، جسے کمزور تصور کیا جاتا تھا، اس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا جس میں ہم نے برکت دے رکھی تھی''۔

یعنی مصر میں شریعتِ موسوی پر ایمان رکھنے والے بنو اسرائیل کو کمزور قوم سمجھ کر ان پر ظلم کیا جاتا تھا، اللہ نے انھیں فرعونِ مصر اور اس کی ظالم افواج سے نجات دے کر بابرکت سرزمین یعنی شام کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ۲/ ۳۲۳)

﴿ وَجَعَلْنَا ٱبْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُۥٓ ءَايَةً وَءَاوَيْنَٰهُمَآ إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝٥٠ ﴾

(المؤمنون ۲۳/ ۵۰)

''اور ہم نے مریم کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) اور ان کی والدہ کو (اپنی قدرت کی) نشانی بنایا، اور ان کو ایک ٹیلے پر جگہ دی جو ٹھہرنے کے لائق تھی اور اس میں پانی جاری تھا۔''

آیت میں مذکورہ ٹیلے سے مراد کونسی جگہ ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ نے اس سے بیت المقدس مراد لیا ہے اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/۳۳۰)

شام، فلسطین اور بیت المقدس کی فضیلت

﴿ احادیث رسول اللہ ﷺ میں ﴾

مندرجہ ذیل احادیث میں ''شام'' کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ اور بعد میں جس خطۂ زمین کے لیے شام کا لفظ بولا جاتا تھا اس پر اب سوریا (اردو میں ''شام'')، لبنان، فلسطین اور اردن جیسے چھوٹے چھوٹے ملک پھیلے ہوئے ہیں۔ ان ممالک میں اب شریعتِ الٰہی کو نافذ نہیں کیا جا رہا بلکہ خود ساختہ قوانین کا راج ہے، اور ان میں بسنے والے مسلمانوں کی بدعملی بھی انتہائی افسوسناک صورت اختیار کر چکی ہے، ان کی اور دنیا بھر کے مسلمانوں کی اسی بدعملی کی وجہ سے اس مبارک سرزمین پر ''صہیونی مملکت'' کا قیام عمل میں آیا اور پھر بیت المقدس بھی ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا، لیکن ایک وقت آئے گا جب یہ سرزمین خلافتِ اسلامیہ کا مرکز ہوگی، دین الٰہی نافذ کیا جائے گا اور عدل وانصاف کے تمام تقاضے پورے کیے جائیں گے، تب مندرجہ ذیل احادیث میں مذکور حضور ﷺ کی بشارتیں سو فیصد پوری ہوں گی۔

① شام پر فرشتوں کی نگرانی : حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«طُوبٰی لِلشَّامِ! فَقُلْنَا: لأَيِّ ذٰلِكَ يَارَسُولَ اللهِ؟ قَالَ: لأَنَّ مَلاَئِكَةَ الرَّحْمٰنِ بَاسِطَةٌ أَجْنِحَتَهَا عَلَيْهَا»(جامع الترمذي، المناقب، باب في فضل الشام واليمن، ح: ٣٩٥٤ والمستدرك للحاكم: ٢/ ٢٢٩ والصحيحة للألباني، ح: ٥٠٣)

''خوشخبری ہے شام کے لیے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں ہم نے کہا: وہ کیوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''شام پر اللہ کے فرشتوں نے اپنے پر پھیلا رکھے ہیں۔''

② **شام میں برکت** : حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کرتے ہوئے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا، قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا، قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا، قَالُوا: وَفِي نَجْدِنَا، قَالَ: هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ» (صحيح البخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ "الفتنة من قبل المشرق"، ح: ٧٠٩٤ ومسند أحمد: ٢/ ٩٠، ١١٨ وجامع الترمذي، المناقب، باب في فضل الشام واليمن، ح: ٣٩٥٣)

''اے اللہ! ہمارے شام میں برکت دے' اے اللہ ہمارے یمن میں برکت دے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: اور ہمارے نجد میں' تو آپ ﷺ نے پھر وہی دعا کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پھر کہا: اور ہمارے نجد میں' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہاں زلزلے آئیں گے' فتنے ہوں گے' اور وہیں سے شیطان کا سینگ نکلے گا''۔

یاد رہے کہ اس حدیث میں نجد سے مراد نجدِ عراق ہے جسے آپؐ نے فتنوں کا گڑھ قرار دیا۔

③ **اہل شام اللہ کی حفاظت میں** : حضرت عبداللہ بن حوالۃ الأزدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''عنقریب تم کئی فوجوں میں تقسیم ہو جاؤ گے' ایک فوج شام میں ہوگی' دوسری عراق میں اور تیسری یمن میں ہوگی۔''

حضرت عبداللہ کہتے ہیں میں کھڑا ہوگیا اور رسول اللہ ﷺ سے گزارش کی کہ ان تینوں فوجوں میں سے ایک فوج میرے لئے منتخب کر دیجیے' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''علیکم بالشام'' یعنی ''تم لازمی طور پر شام کی فوج میں رہنا'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس لیے کہ شام اللہ کی پسندیدہ زمین ہے' اسی زمین کی طرف اللہ کے بندوں کے گروہ کو اکٹھا کیا جائے گا' اور جس شخص

کو شام کی فوج میں شمولیت سے انکار ہو وہ یمن میں چلا جائے اور اس کے پانیوں سے سیراب ہو، اور یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شام اور اہلِ شام کی ضمانت دی ہے۔" (احمد: ۵/۳۳، ابوداؤد، کتاب الجہاد، ح: ۲۴۸۳، الحاکم ۴/۵۱۰، البانی نے صحیح کہا ہے)

④ اہلِ شام سب سے اچھے لوگ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَيَكُونُ هِجْرَةٌ بَعْدَ هِجْرَةٍ، فَخِيَارُ أَهْلِ الأَرْضِ أَلْزَمُهُمْ مُهَاجَرَ إِبْرَاهِيمَ» (المستدرك للحاكم: ٤/٥١١ وإسناده حسن، وفضائل الشام للألباني، ص: ٨٢)

"عنقریب ایک ہجرت کے بعد دوسری ہجرت ہوگی، تو روئے زمین پر بسنے والے لوگوں میں سب سے اچھے لوگ وہ ہوں گے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ہجرت (شام) میں مستقل رہائش رکھیں گے۔"

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

«وَفِي الْحَدِيثِ بُشْرٰى لأَصْحَابِنَا الَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ حَرَّانَ وَغَيْرِهَا إِلٰى مُهَاجَرِ إِبْرَاهِيمَ، وَاتَّبَعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ وَدِينَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم» (فتاوى ابن تيمية: ٢٧/٥٠٩)

"اس حدیث میں ہمارے ان دوستوں کے لیے بشارت ہے جنھوں نے حران (مشرقی شام) وغیرہ سے حضرت ابراہیم کی جائے ہجرت کی طرف ہجرت کی، اور ملتِ ابراہیمی اور دینِ محمدی کی پیروی کی۔"

اور حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَحَوَّلَ خِيَارُ أَهْلِ الْعِرَاقِ إِلَى الشَّامِ، وَيَتَحَوَّلَ شِرَارُ أَهْلِ الشَّامِ إِلَى الْعِرَاقِ» (مسند أحمد: ٥/٢٤٩ وإسناده حسن)

''قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک عراق کے اچھے لوگ شام میں اور شام کے برے لوگ عراق میں نہ چلے جائیں''۔

⑤ اہلِ شام کے ذریعے دینِ اسلام کی نصرت: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

«إِذَا وَقَعَتِ الْمَلَاحِمُ بَعَثَ اللهُ مِنْ دِمَشْقَ بَعْثًا مِّنَ الْمَوَالِي هُمْ أَكْرَمُ الْعَرَبِ فَرَسًا وَأَجْوَدُهُ سِلَاحًا، يُؤَيِّدُ اللهُ بِهِمُ الدِّينَ» (سنن ابن ماجه، الفتن، باب الملاحم، ح: ٤٠٩٠ والمستدرك للحاكم: ٤/٥٤٨ وصححه الألباني)

''جب بڑی بڑی جنگیں واقع ہوں گی' اس وقت اللہ تعالیٰ دمشق سے موالی کے ایک گروہ کو مبعوث فرمائے گا' جو عربوں میں بہترین گھڑسوار اور سب سے اچھا اسلحہ رکھنے والا ہوگا' اللہ اس کے ذریعے دینِ اسلام کی نصرت فرمائے گا''۔

⑥ سرزمین شام' ایمان والوں کی آخری پناہ گاہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَتَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ حَضْرَمَوْتَ أَوْ مِنْ نَحْوِ بَحْرِ حَضْرَمَوْتَ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تَحْشُرُ النَّاسَ» قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: «عَلَيْكُمْ بِالشَّامِ»(جامع الترمذي، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى تخرج نار من قبل الحجاز، ح: ٢٢١٧ ومسند أحمد: ٢/ ٦٩ وقال الألباني: إسناده عند أحمد على شرط الشيخين)

''عنقریب قیامت سے پہلے حضرموت کے سمندر سے (یا حضرموت سے) ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو اکٹھا کرے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم شام میں مستقل اقامت رکھنا''۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ کا آغاز کس طرح سے تھا؟ تو

آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ وَبُشْرٰى عِيسٰى، وَرَأَتْ أُمِّي أَنَّهُ يَخْرُجُ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ مِنْهَا قُصُورُ الشَّامِ»(مسند أحمد: ٥/ ٢٦٢ والمعجم الكبير للطبراني: ٨/ ١٧٥، ح: ٧٧٢٩ والصحيحة للألباني، ح: ١٩٢٥)

''میرے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا اور عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت (سے میرا آغاز ہوا)، اور میری ماں نے خواب میں دیکھا کہ اس سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے''۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ یہ حدیث ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«وَتَخْصِيصُ الشَّامِ بِظُهُورِ نُورِهِ إِشَارَةٌ إِلَى اسْتِقْرَارِ دِينِهِ وَنُبُوَّتِهِ بِبِلَادِ الشَّامِ وَلِهٰذَا تَكُونُ الشَّامُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ مَعْقِلًا لِّلْإِسْلَامِ وَأَهْلِهِ وَبِهَا يَنْزِلُ عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ»(تفسير ابن كثير: ١/ ٢٥٣)

''یہ جو آپ ﷺ نے ملکِ شام کو اپنے نور کے ساتھ خاص کیا ہے، اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ ﷺ کے دین کو شام میں استقرار نصیب ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ شام کی سرزمین آخرکار اسلام اور اہلِ اسلام کی آخری پناہ گاہ ہوگی اور اسی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي رَأَيْتُ كَأَنَّ عَمُودَ الْكِتَابِ انْتُزِعَ مِنْ تَحْتِ وِسَادَتِي فَأَتْبَعْتُهُ بَصَرِي فَإِذَا هُوَ نُورٌ سَاطِعٌ عُمِدَ بِهِ إِلَى الشَّامِ، أَلَا! وَإِنَّ الإِيمَانَ إِذَا وَقَعَتِ الْفِتَنُ بِالشَّامِ» (المستدرك للحاكم: ٤/ ٥٠٩، ح: ٨٥٥٤ ومسند أحمد: ٥/ ١٩٩ وصححه الشيخ الألباني)

''میں نے (خواب میں) دیکھا کہ میرے تکیے کے نیچے سے کتاب کا ستون (ایمان) کھینچ لیا گیا ہے، میری نظر نے اس کا پیچھا کیا، دیکھا تو وہ ایک نور تھا جو شام کی طرف

چمک رہا تھا۔ خبردار! جب فتنے واقع ہوں گے تب ایمان شام میں ہوگا۔"

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

«يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لاَ يَبْقَى فِيهِ مُؤْمِنٌ إِلاَّ لَحِقَ بِالشَّامِ» (المستدرك للحاكم: ٤/٤٥٧، ح: ٨٤١٣ وقال الحاكم: هذا حديث صحيح على شرط الشيخين، ووافقه الذهبي)

"ایک وقت آئے گا جب ہر مومن شام ہی کی طرف جائے گا"۔

⑦ شام میں نزول عیسیٰ علیہ السلام: ارشاد نبوی ﷺ ہے:

«يَنْزِلُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ» (صحيح مسلم، الفتن، باب ذكر الدجال، ح: ٢٩٣٧ وسنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب خروج الدجال، ح: ٤٣٢١)

"حضرت عیسیٰ بن مریم دمشق کے مشرق میں سفید مینار پر نازل ہونگے"۔

⑧ موسیٰ علیہ السلام کی دعا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت دعا کی تھی کہ اے اللہ! مجھے بیت المقدس کی پاک سرزمین کے قریب کردے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی "صحیح" کی كِتَابُ الْجَنَائِزِ، بَابُ مَنْ أَحَبَّ الدَّفْنَ فِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا: اپنے پروردگار کے حکم (موت) کے لیے تیار ہو جائیں، موسیٰ علیہ السلام نے اس کی آنکھ پر تھپڑ دے مارا جس سے اس کی آنکھ باہر آ گئی۔ وہ واپس اللہ کے پاس پہنچا اور دربارِ الٰہی میں عرض کی: آپ نے مجھے ایسے بندے کی طرف بھیجا ہے کہ جو موت کا خواہشمند نہیں، اور اس نے میری آنکھ پھوڑ دی ہے۔ اللہ نے اس کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: میرے بندے کے پاس واپس جاؤ اور اس سے کہو: تم اگر زندگی چاہتے ہو تو ایک بیل کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کے دیکھو، جتنے بال

تمھارے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اتنے سال تم زندہ رہو گے' (چنانچہ فرشتۂ موت نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچایا) 'حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: پھر کیا ہوگا؟ فرشتے نے کہا: پھر آپ پر موت آجائے گی' تو انھوں نے کہا: تب موت ابھی قبول ہے' (پھر اللہ سے دعا کرتے ہوئے کہنے لگے): ''اے اللہ! مجھے پتھر پھینکنے کی مسافت کے برابر پاک سرزمین کے قریب مارنا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اگر میں وہاں ہوتا تو تمھیں راستے کی ایک جانب سرخ ٹیلے کے پاس ان کی قبر دکھا دیتا۔'' (صحیح البخاری، مع الفتح ۳/۲۰۶، ۶/۴۴۰)

موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعا کیوں کی تھی؟ اس کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

«وَأَمَّا سُؤَالُهُ الإِدْنَاءَ مِنَ الأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ فَلِشَرَفِهَا وَفَضِيلَةِ مَنْ فِيهَا مِنَ الْمَدْفُونِينَ مِنَ الأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ»(شرح النووي لصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسى عليه السلام، ح: ٢٣٧٢، ١٥/ ١٨٦)

''رہا موسیٰ علیہ السلام کا یہ سوال کہ انھیں پاک سرزمین کے قریب کردیا جائے تو یہ محض اس کے مقام و مرتبہ اور اس میں انبیاء کرام وغیرہ کے مدفون ہونے کی وجہ سے تھا۔''

⑨ **بیت المقدس اور طائفہ منصورہ:** ارشاد نبوی ہے:

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ دین پر قائم اور اپنے مخالفین پر غالب رہے گا۔ اس کی مخالفت کرنے والا اس کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا' اِلا یہ کہ کوئی تکلیف اسے (اللہ کی طرف سے) پہنچ جائے اور اللہ کا حکم (یومِ آخرت) آنے تک وہ بدستور اسی طرح رہے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! وہ کہاں ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیت المقدس اور اس کے آس پاس۔'' (احمد: ۵/۲۶۹)

حضرت قرّہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا فَسَدَ أَهْلُ الشَّامِ فَلَا خَيْرَ فِيكُمْ، لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي

مَنْصُورِينَ، لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ» (جامع الترمذي، الفتن، باب ما جاء في أهل الشام، ح: ٢١٩٢ وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح ومسند أحمد: ٥/ ٣٤ والصحيحة للألباني، ح: ٤٠٣)

''جب اہل شام بگڑ جائیں گے تو تمھارے اندر کوئی خیر نہیں ہوگی' میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا۔ جو کوئی اسے رسوا کرنے کی کوشش کرے گا وہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا' اور وہ قیامت تک اسی طرح رہے گا''۔

⑩ **بیت المقدس سرزمین محشر:** صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلشَّامُ أَرْضُ الْمَحْشَرِ وَالْمَنْشَرِ» (صحيح الجامع الصغير، ح: ٣٧٢٦)

''شام وہ سرزمین ہے جہاں (روزِ قیامت) لوگوں کو اکٹھا کیا جائے گا اور وہیں سے وہ (حساب کے لیے) منتشر ہونگے۔

٭سرزمین فلسطین اور انبیاء علیہم السلام

فلسطین اور اس کا قرب وجوار وہ مقدس اور بابرکت سرزمین ہے جہاں متعدد انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے' جہاں ان پر اللہ کی وحی اترتی رہی اور جہاں ان انبیاء کرام علیہم السلام نے علمِ توحید بلند کیا اور دین اسلام کی طرف اپنی اپنی قوموں کو دعوت دیتے رہے' چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق چھوڑ کر اسی سرزمین کی طرف ہجرت کی' پھر ان کی اولاد میں سے حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اسی مقدس سرزمین پر فریضہ دعوت وتبلیغ سرانجام دیا' پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے مصر کے وزیرِ خزانہ بننے کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کا پورا گھرانہ (بنو اسرائیل) مصر منتقل ہو گیا' جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے' پھر وہ بھی بنو اسرائیل کو لے کر عازمِ فلسطین ہوئے' آپ نے انھیں مقدس سرزمین کو' جس پر اس وقت ایک جابر قوم کا قبضہ تھا' جہاد کے ذریعے فتح کرنے کا حکم دیا' لیکن قوم نے اس سے انکار کر دیا جس پر انھیں چالیس سال تک میدانِ تیہ میں سرگرداں رہنے کی سزا ملی۔ اس دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے۔ ان کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کی قیادت میں بنو اسرائیل نے بیت المقدس فتح کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کو دشمنانِ اسلام کے ظالمانہ قبضے سے آزاد کرانے کی خاطر جہاد سے روگردانی اللہ کی ناراضی کا سبب بنتی ہے' اور مسلمانوں کو ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے' جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مسلمان قوم کے ساتھ ہوا' اور اگر بیت المقدس کی آزادی کے لیے مسلمان متحد ہو کر دشمنانِ اسلام کے خلاف جہاد کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی نصرت فرماتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون علیہ السلام کی مسلمان فوج کی مدد فرمائی۔

بیت المقدس انبیاء کرام علیہم السلام کا قبلہ رہا' یہاں سے دعوتِ توحید کا نور پھوٹتا رہا ہے۔ بنواسرائیل جب تک انبیاء کرام علیہم السلام کی پیروی کرتے رہے اللہ ان پر انعامات کی بارش کرتا رہا' لیکن جب وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نافرمانی کرتے اللہ ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کرتا رہا تاکہ وہ عبرت حاصل کر کے حق کی طرف لوٹ آئیں۔

یہی مبارک سرزمین تھی جہاں حضرت داوٗد علیہ السلام کو بادشاہت اور نبوت کا تاج پہنایا گیا' اور پہاڑ اور پرندے ان کے تابع کر دیے گئے۔ پھر ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی اسی سرزمین پر وہ بادشاہت ملی جو پہلے کسی کو ملی تھی نہ بعد میں اور نہ ہی آئندہ ملے گی' یہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہی تھے جنھوں نے ہیکل (مسجد اقصیٰ) کی تجدید کی اور اسے اپنی بادشاہت کے شایانِ شان پوری شان وشوکت سے تعمیر کیا' اور تعمیر سے فارغ ہونے کے بعد اللہ سے دعا کی کہ جو بھی اس مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے آئے وہ گناہوں سے پاک ہو کر لوٹے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا اور ان کے بیٹے حضرت یحییٰ علیہما السلام کو بھی اسی سرزمین پر مبعوث فرمایا۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام ہی کے زمانے میں حضرت مریم پیدا ہوئیں جن کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا' جو بنو اسرائیل کو اسلام کی دعوت دیتے رہے' لیکن جب یہود نے انھیں قتل کرنے کی سازش تیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اوپر اٹھا لیا اور ایک وقت آئے گا جب انھیں اسی سرزمین پر دوبارہ اتارا جائے گا اور وہ دین اسلام کے عظیم داعی بن کر دنیا بھر میں عدل وانصاف قائم کریں گے۔

پھر نبیوں کا سلسلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر ختم ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے' اور وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت ملی' لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی بیت المقدس کی سیر کرا دی اور وہاں تمام انبیاء کو ان کی اقتدا میں جمع کر دیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیت المقدس انبیاء کرام علیہم السلام کے پیروکاروں اور ان مسلمانوں کا ہے جو انبیاء کی دعوتِ توحید کو تسلیم اور ان کی تعلیمات پر

عمل کرتے رہے۔

* سرزمینِ فلسطین اور خونِ شہداء : فلسطین کی سرزمین شہدا کے خون سے ہمیشہ تر رہی ہے' چنانچہ اسلامی دور میں سب سے پہلے یہاں پر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا خون بہا' ان کی قیادت میں مسلمانوں کی فوجیں اس سرزمین پر آئیں تو ان میں سے بہت سارے مسلمانوں نے اپنی جانیں اللہ کی راہ میں قربان کر دیں' اور ساڑھے چار سو برس بعد ۴۹۳ھ/ ۱۰۹۹ء میں جب بیت المقدس پر صلیبیوں نے قبضہ کیا تو ہزاروں مسلمان ان کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے وقت انھوں نے ستر ہزار مسلمانوں کو شہید کر ڈالا تھا' پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کے سر ان کے جسموں سے الگ کر دیے' ان کے ناک' کان اور ہاتھ پاؤں کاٹ دیے اور انھیں آگ لگا دی' پھر پون صدی بعد جب صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے صلیبیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا تو انتہائی خونریز معرکے ہوئے اور ہزاروں پاک روحیں اللہ کی راہ میں قربان ہوگئیں حتی کہ ۵۸۳ھ/ ۱۱۸۷ء میں بیت المقدس مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

اس کے بعد تاتاریوں کا فتنہ آیا' جو بغداد پر قبضہ کرنے کے بعد شام میں داخل ہوئے اور ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کا خون بہایا' پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متحد ہو کر جہاد کرنے کی توفیق دی' ''عین جالوت'' (فلسطین) میں تاتاریوں کے خلاف زبردست معرکہ ہوا' اس میں بھی بے شمار مسلمان دینِ اسلام کے غلبے کے لیے اپنی جانوں پر کھیل گئے' اور پہلی مرتبہ تاتاریوں کو شکست ہوئی (۱۲۶۰ء)۔ اس کے بعد ساڑھے چھ سو برس تک فلسطین پر ممالیک مصر اور عثمانی ترکوں کا قبضہ رہا۔

پھر انگریزوں کا دور (۴۸-۱۹۱۷ء) آیا' اور فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کا عمل شروع ہوا تو مسلمانوں نے اپنے دین اور مقاماتِ مقدسہ کے دفاع میں اپنی جانوں کی پروا نہ

کی۔ اور انگریزوں ہی کے تعاون سے مئی ۱۹۴۸ء میں سرزمینِ فلسطین پر صہیونی مملکت کا قیام عمل میں آیا، اس وقت سے اب تک اس مبارک سرزمین پر خونِ مسلم پانی کی طرح بہہ رہا ہے، اور ایمان والے اپنے سے کہیں زیادہ طاقتور دشمن کا دیوانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں، یوں اس سرزمین کو اگر شہداء کی سرزمین کہا جائے تو قطعاً بے جا نہ ہوگا۔ اللھم اغفر لھم وارحمھم!

سرزمینِ فلسطین اور علماء : فلسطین کی سرزمین پر علمی سرگرمیوں کا آغاز اس وقت ہوا جب یہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف لائے اور انھوں نے دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دیا، اہلِ شام فوج درفوج اسلام میں داخل ہوئے اور ان سے علمِ دین حاصل کیا۔ چونکہ مسجد اقصیٰ کا مسلمانوں کے دلوں میں ایک مقام و مرتبہ رہا ہے اس لیے بھی یہ سرزمین بہت سارے علماء کرام کی آماجگاہ رہی ہے۔ اس کے علاوہ فلسطین کا جغرافیائی محلِ وقوع بھی یہاں علمی سرگرمیوں کے عروج کا سبب رہا، کیونکہ شام کے علاوہ افریقی عرب ممالک سے جتنے علماء حج کے لیے سفر کرتے تھے ان کا گزر بیت المقدس سے ہی ہوا کرتا تھا۔

جو مشہور علماء اس مبارک سرزمین پر پیدا ہوئے اور انھوں نے علمی دنیا میں شہرت پائی، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

- **امام محمد بن ادریس الشافعی رحمہ اللہ :** یہ فلسطین کے مشہور شہر غزہ میں پیدا ہوئے، چار معروف فقہی مذاہب میں سے شافعی مذہب کی نسبت انھی کی طرف ہوتی ہے۔
- **حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ :** یہ عسقلان میں پیدا ہوئے جو کہ فلسطین کے مغربی ساحل پر واقع ہے، شہرۂ آفاق کتاب فتح الباری شرح صحیح البخاری کے مؤلف یہی ہیں۔
- **امام ابن قدامہ المقدسی رحمہ اللہ :** یہ نابلس (فلسطین) کی ایک بستی میں پیدا ہوئے، ان کا شمار فقہاءِ حنابلہ میں ہوتا ہے۔ حنبلی مذہب کی مشہور کتاب ''المغنی'' کے مؤلف یہی ہیں۔
- **الحافظ عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی رحمہ اللہ :** یہ مشہور محدث ہیں، کتاب ''الکمال'' اور

''عمدۃ الأحکام'' وغیرہ انہی کی تالیفات ہیں۔

❁ **امام ابن مفلح المقدسی** رحمہ اللہ: یہ بھی مشہور حنبلی علماء میں سے ایک ہیں، ان کی تالیفات میں ''الآداب الشرعیۃ'' اور ''کتاب الفروع'' وغیرہ اہلِ علم میں معروف ہیں۔

❁ **امام احمد بن حسین الرملی** رحمہ اللہ: یہ رملۃ (فلسطین) میں پیدا ہوئے، ان کی مؤلفات میں شرح صحیح البخاری سرِ فہرست ہے۔

❁ **امام علاء الدین المرداوی** رحمہ اللہ: یہ بھی نامور حنبلی عالم ہیں، ان کی کتابوں میں ''الإنصاف فی معرفۃ الراجح من الخلاف'' اہلِ علم میں مشہور و معروف ہے۔

ان کے علاوہ فاتحِ اندلس موسیٰ بن نصیر رحمہ اللہ کا تعلق بھی فلسطین ہی سے تھا وہ ''الخلیل'' میں پیدا ہوئے، اور شمالی افریقہ کے گورنر کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے، ان کی دعوت پر جو لوگ مسلمان ہوئے یا اسلامی فوج کے کمانڈر بنے ان میں طارق بن زیاد رحمہ اللہ سرِ فہرست ہیں۔

اسی طرح رجاء بن حیوۃ الکندی رحمہ اللہ کا تعلق بھی فلسطین سے تھا، جو اموی عہدِ خلافت کے دوران وزیرِ خزانہ رہے، اور انہی کے مشورہ پر سلیمان بن عبد الملک نے عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔

حصہ دوم

مسجد اقصیٰ

- مسجد اقصیٰ کے فضائل
- کیا مسجد اقصیٰ حرم ہے؟
- مسجد اقصیٰ کو سب سے پہلے کس نے تعمیر کیا؟
- مسجد اقصیٰ کی تعمیر...... مختلف اسلامی ادوار میں
- مسجد اقصیٰ کے اندر کیا کچھ ہے؟
- کیا قبۃ الصخرۃ کی کوئی الگ فضیلت ہے؟
- مسجد اقصیٰ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خطاب
- مسجد اقصیٰ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی

مسجد اقصیٰ کے فضائل

مسجد اقصیٰ کے متعدد فضائل احادیثِ نبویہ میں روایت کیے گئے ہیں جن کی تفصیل یوں ہے:

۱- دوسری مسجد : روئے زمین پر بنائی جانے والی پہلی مسجد، مسجد حرام اور دوسری مسجد یہی مسجد اقصیٰ ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ روئے زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: مسجد حرام۔ انھوں نے سوال کیا کہ اس کے بعد؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مسجد اقصیٰ۔ انھوں نے پھر پوچھا کہ ان دونوں مساجد کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ تو آپؐ نے فرمایا: چالیس سال۔ (صحیح البخاری احادیث الانبیاء، ح: ۳۴۲۵، صحیح مسلم المساجد و مواضع الصلاۃ، باب المساجد، ح: ۱)

۲- قبلۂ اول : مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا پہلا قبلہ ہے، چنانچہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی، پھر ہمیں خانۂ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ (صحیح بخاری، الایمان، باب الصلاۃ من الایمان، ح: ۴۰ و مسلم، کتاب المساجد، باب تحویل القبلۃ، ح: ۱۱)

یعنی پورے تیرہ سالہ مکی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، پھر ہجرت کے بعد بھی آپ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سولہ یا سترہ ماہ تک اسی طرح نمازیں پڑھتے رہے، اس کے بعد قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا۔

۳- مسجد اقصیٰ اور اس کا گرد و نواح مبارک ہے : مسجد اقصیٰ اور اس کے اردگرد کی سرزمین بابرکت ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ سُبْحَٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ إِلَى ٱلْمَسْجِدِ

ﭐلۡأَقۡصَا ﭐلَّذِي بَٰرَكۡنَا حَوۡلَهُۥ﴾ (الأنبیاء۱۷/ ۱)

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے کچھ حصے میں مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کا اردگرد بابرکت ہے۔"

جب اس کا گرد ونواح بابرکت ہے تو خود مسجد اقصیٰ کتنی بابرکت ہوگی! اور برکت سے مراد ایک تو اس سرزمین کی زرخیزی، شادابی اور ہریالی ہے جسے ہر شخص محسوس کرسکتا ہے، اور ایک برکت معنوی ہے جوکہ انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے، فرشتوں کے نازل ہونے اور اس میں متعدد انبیاء کے دفن ہونے کی بنا پر ہے۔

۴۔مسجد اقصیٰ اور معراج: مسجد اقصیٰ ہی وہ مسجد ہے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے لیے لایا گیا پھر یہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اوپر آسمانوں کی طرف گئے، اور اسی مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج سے واپسی پر تمام انبیاء کی امامت کرائی۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس براق لایا گیا جو سفید رنگ اور لمبے قد کا (گدھے اور خچر کے درمیان) ایک جانور تھا، اور اس قدر تیز رفتار تھا کہ اس کا ایک قدم اس کی حدِ نگاہ پر پڑتا تھا۔ میں اس پر سوار ہوا، اور بیت المقدس پہنچا، وہاں میں نے اسے اس جگہ باندھ دیا جہاں دوسرے انبیاء اپنی سواری باندھا کرتے تھے۔ پھر میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا، اور اس میں دو رکعت نماز ادا کی، پھر باہر آیا تو جبریل علیہ السلام نے ایک برتن میں شراب اور دوسرے میں دودھ پیش کیا۔ میں نے دودھ پسند کیا تو جبریل علیہ السلام نے کہا: آپ نے فطرت کو پسند کیا ہے، پھر ہمیں آسمان کی طرف لے جایا گیا......"

(صحیح مسلم' الایمان' باب الاسراء ح:۲۵۹)

اور جہاں تک بیت المقدس میں انبیاء کی امامت کرانے کا تعلق ہے تو اس بارے میں مختلف احادیث روایت کی گئی ہیں۔ کچھ احادیث میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج سے

واپسی پر بیت المقدس میں انبیاء کی امامت کرائی ، جبکہ کچھ روایات میں ہے کہ آپ ﷺ معراج پر جاتے ہوئے بیت المقدس میں ٹھہرے اور وہاں انبیاء کی امامت کرائی ۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اسراء ومعراج سے متعلق تمام روایات کو جمع کرنے کے بعد اس عظیم معجزے کا خلاصہ درج کیا ہے، جس میں وہ لکھتے ہیں:

«ثُمَّ هَبَطَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَهَبَطَ مَعَهُ الأَنْبِيَاءُ فَصَلَّى فِيهِمْ لَمَّا حَانَتِ الصَّلاَةُ، وَيُحْتَمَلُ أَنَّهَا الصُّبْحُ مِنْ يَوْمِئِذٍ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَزْعُمُ أَنَّهُ أَمَّهُمْ فِي السَّمَاءِ، وَالَّذِي تَظَاهَرَتْ بِهِ الرِّوَايَاتُ أَنَّهُ بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ، وَلَكِنْ فِي بَعْضِهَا أَنَّهُ كَانَ أَوَّلَ دُخُولِهِ إِلَيْهِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ بَعْدَ رُجُوعِهِ إِلَيْهِ. . .»(تفسير ابن كثير: ٣/ ٣٤ والبداية والنهاية: ٣/ ١٠٩-١١١)

''پھر آپ ﷺ بیت المقدس کی طرف اترے ، اور آپ ﷺ کے ساتھ انبیاء بھی نازل ہوئے ، چنانچہ جب نماز کا وقت ہوا تو آپ ﷺ نے انھیں نماز پڑھائی ۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ نماز اس دن کی صبح کی نماز ہو، اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے انھیں آسمان پر نماز پڑھائی تھی ، جبکہ اغلب روایات میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے بیت المقدس میں ان کی امامت کرائی تھی ، البتہ بعض روایات میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی امامت معراج کے لیے جاتے ہوئے کرائی تھی ، لیکن راجح یہ ہے کہ آپ ﷺ نے معراج سے واپس آکر بیت المقدس میں نماز پڑھائی تھی......''

دوسری جانب حافظ ابن حجر اور حافظ ابن القیم نے اس بات کو ترجیح دی ہے کہ آپ ﷺ نے انبیاء کی امامت معراج کے لیے جاتے ہوئے کرائی تھی ۔ (فتح الباری' ٧/ ٢٠٩ وزادالمعاد' ٣/ ٣٠)

نوٹ : حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَسْرَايَ، فَسَأَلَتْنِي

عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَّا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ، قَالَ فَرَفَعَهُ اللهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، مَا يَسْأَلُونِّي عَنْ شَيْءٍ إِلاَّ أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجال، ح: ۱۷۲)

''میں نے دیکھا کہ میں حطیم میں ہوں اور قریش مجھ سے واقعۂ اسراء کے متعلق سوالات کررہے ہیں، چنانچہ انھوں نے بیت المقدس کے بارے میں کچھ ایسی باتیں پوچھیں جو مجھے یاد نہیں رہی تھیں۔ میں اس دن جتنا پریشان ہوا اتنا کبھی نہیں ہوا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے کردیا، پھر وہ جس چیز کا بھی سوال کرتے' میں بیت المقدس کو دیکھ کر انھیں جواب دے دیتا''۔

۵۔ مسجد اقصیٰ اور شدِ رحال : مسجد اقصیٰ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن میں نماز پڑھنے کی خصوصی فضیلت ہے اور یہ فضیلت حاصل کرنے کی خاطر ان مساجد کی طرف باقاعدہ سفر کرنا مستحب ہے، ارشادِ نبوی ہے:

«لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلاَّ إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَالْمَسْجِدِ الأَقْصَى وَمَسْجِدِي»(صحيح البخاري، كتاب وباب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح: ۱۱۸۹ وصحيح مسلم، الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح: ۱۳۹۷ ومسند أحمد: ۳/ ۷۸ واللفظ له)

''صرف تین مساجد کی طرف باقاعدہ سفر کیا جا سکتا ہے اور وہ ہیں: مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد''۔

نوٹ : شدِ رحال کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ثواب کی غرض سے کسی جگہ کا سفر اختیار کرے شریعت میں مذکورہ تین مساجد کے علاوہ ایسا کرنا جائز نہیں۔ (شفیق الرحمن فرخ)

جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد اقصیٰ کی طرف شدِ رحال کیا: مسجد اقصیٰ کی طرف بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خصوصی طور پر سفر کیا تا کہ اس میں نماز پڑھنے کا اجر وثواب حاصل

کر سکیں، مثلاً:

- **ابوعبیدۃ بن الجراح** رضی اللہ عنہ: یہ اس فوج کے سپہ سالار تھے جس نے بیت المقدس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں فتح کیا تھا۔
- **بلال بن رباح** رضی اللہ عنہ: یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیت المقدس گئے تھے اور مسجد اقصیٰ میں اذان کہنے کا شرف حاصل کیا تھا۔
- **معاذ بن جبل** رضی اللہ عنہ: انھیں حضرت ابوعبیدۃ رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت اپنا نائب بنایا تھا' پھر یہ بھی طاعون کی بیماری میں وفات پا گئے تھے۔
- **خالد بن ولید' عبد اللہ بن سلام اور ابو ہریرہ** رضی اللہ عنہم: یہ فتح بیت المقدس کے وقت وہاں موجود تھے۔
- **عبادہ بن الصامت** رضی اللہ عنہ: یہ فلسطین میں سب سے پہلے قاضی تھے، بیت المقدس میں قیام پذیر تھے اور وہیں انتقال فرمایا۔ (الطبقات الکبریٰ' ۳/ ۵٤٦)
- **تمیم بن اوس الداری** رضی اللہ عنہ: یہ اسلام قبول کرنے سے پہلے فلسطین ہی کے رہائشی تھے، پھر اسلام قبول کرلیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، اس کے بعد کچھ عرصہ تک بیت المقدس کے گورنر رہے۔
- **عبد اللہ بن عمر** رضی اللہ عنہما: یہ بیت المقدس میں کئی بار گئے، اور جب بھی جاتے تھے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھ کر واپس چلے آتے تھے، اور کہا کرتے تھے کہ میں صرف سلیمان علیہ السلام کی دعا حاصل کرنے آیا تھا۔
- **ابو ریحانہ** رضی اللہ عنہ: یہ بھی بیت المقدس ہی کے رہائشی تھے، اور مسجد اقصیٰ میں درس دیا کرتے تھے۔
- **شداد بن اوس** رضی اللہ عنہ: یہ بھی بیت المقدس میں قیام پذیر تھے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت میں وہیں فوت ہوگئے، ان کی قبر مسجد اقصیٰ کی چار دیواری کے قریب واقع ہے۔

ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ ابو جمعہ انصاری، عوف بن مالک، عمرو بن العاص، ابوابی انصاری، اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی بیت المقدس تشریف لے گئے۔(اتحاف الاخصا بفضائل المسجد الاقصٰی ۲/ ۲۹-۵۵)

۶-<u>مسجد اقصیٰ میں نماز کی فضیلت</u>: مسجد اقصیٰ میں ایک نماز ادا کرنے سے دوسو پچاس نمازوں کا ثواب ملتا ہے، یہ فضیلت ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے جسے امام حاکم نے روایت کیا ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(الصحیحۃ ۲۹۰۲)

(پوری حدیث کا تذکرہ بعد میں آرہا ہے۔)

یاد رہے کہ جس روایت میں مسجد اقصیٰ میں ایک نماز کا ثواب پانچ سو نمازوں کے ثواب کے برابر بتایا گیا ہے، وہ ضعیف ہے۔

اس کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انھوں نے اللہ سے تین چیزوں کا سوال کیا: ایک درست فیصلہ کرنے کی توفیق جیسا کہ خود اللہ درست فیصلے کرتا ہے، دوسری ایسی بادشاہت جو ان کے بعد کسی کو نہ ملے اور تیسری یہ کہ جو بھی اس مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے آئے وہ اس طرح گناہوں سے پاک ہو کر نکلے جس طرح بچہ ماں کے پیٹ سے (گناہوں سے پاک) پیدا ہوتا ہے“۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”پہلی دو چیزیں تو اللہ نے انھیں عطا کردیں اور مجھے امید ہے کہ اللہ نے ان کی تیسری دعا بھی قبول کر لی ہوگی۔“ (النسائی' المساجد' باب فضل المسجد الاقصٰی والصلاۃ فیہ' ح: ۶۹۴' و ابن ماجہ' کتاب إقامۃ الصلوات' باب ماجاء فی الصلاۃ فی بیت المقدس' ح: ۱۴۰۸)

۷- **مسجد اقصیٰ میں دجال کا داخلہ ممنوع** : نبی ﷺ نے دجال کے متعلق اپنی امت کو خبردار کیا ہے، اور اس کی متعدد نشانیاں بتلائی ہیں، ان میں سے ایک نشانی ان الفاظ میں ہے:

«عَلَامَتُهُ يَمْكُثُ فِي الأَرْضِ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، يَبْلُغُ سُلْطَانُهُ كُلَّ مَنْهَلٍ، لَا يَأْتِي أَرْبَعَةَ مَسَاجِدَ: الْكَعْبَةَ، وَمَسْجِدَ الرَّسُولِ، وَالْمَسْجِدَ الأَقْصَى وَالطُّورِ»(مسند أحمد: ٥/ ٣٦٤ وإسناده صحيح)

''اس کی ایک نشانی یہ ہوگی کہ وہ زمین پر چالیس دن رہے گا، اور اس دوران اس کی بادشاہت ہر چشمۂ آب تک پہنچے گی، تاہم وہ چار مساجد میں نہیں جا سکے گا جو کہ یہ ہیں: خانۂ کعبہ' مسجدِ نبوی' مسجدِ اقصیٰ اور طورِ سیناء''۔

کیا مسجد اقصیٰ ''حرم'' ہے؟: مسجد اقصیٰ کے متعلق ایک غلطی عام لوگوں میں بکثرت منتشر ہے اور وہ ہے اسے ''حرم'' تصور کر کے ''حرم شریف'' یا ''ثالث الحرمین'' کے نام سے یاد کرنا، حالانکہ مسجد اقصیٰ حرم نہیں ہے، کیونکہ حرم اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں شکار کرنا، درخت کاٹنا اور قتال کرنا حرام ہوتا ہے، اور دوسری جگہوں کی نسبت اس کے چند مخصوص احکام ہوتے ہیں جو اسی کے اندر لاگو ہوتے ہیں اس سے باہر نہیں، اور ایسا حرم دنیا بھر میں صرف مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ میں ہے، اس کے علاوہ کہیں کوئی حرم نہیں ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

«الأَقْصَى: اسْمٌ لِلْمَسْجِدِ كُلِّهِ، وَلَا يُسَمَّى هُوَ وَلَا غَيْرُهُ حَرَمًا، وَإِنَّمَا الْحَرَمُ بِمَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ خَاصَّةً»(إقتضاء الصراط المستقيم: ٢/ ٨١٧)

''اقصیٰ پوری مسجد کا نام ہے، اسے اور کسی دوسری جگہ کو حرم کہنا درست نہیں۔ حرم تو صرف مکہ اور مدینہ میں ہیں''۔

نیز فرماتے ہیں:

«وَلَيْسَ فِي الدُّنْيَا حَرَمٌ، لَا بَيْتُ الْمَقْدِسِ وَلَا غَيْرُهُ إِلَّا هٰذَانِ الْحَرَمَانِ، وَلَا يُسَمَّى غَيْرُهُمَا حَرَمًا كَمَا يُسَمِّي الْجُهَّالُ فَيَقُولُونَ:

حَرَمُ الْمَقْدِسِ وَحَرَمُ الْخَلِيلِ، فَإِنَّ هٰذَيْنِ وَغَيْرَهُمَا لَيْسَا بِحَرَمٍ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ، وَالْحَرَمُ الْمُجْمَعُ عَلَيْهِ حَرَمُ مَكَّةَ، وَأَمَّا الْمَدِينَةُ فَلَهَا حَرَمٌ أَيْضًا عِنْدَ الْجُمْهُورِ كَمَا اسْتَفَاضَتْ بِذٰلِكَ الأَحَادِيثُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ»(مجموع الفتاوی: ۲۶/ ۱۱۷)

''دنیا میں کوئی حرم نہیں ہے، بیت المقدس نہ کوئی اور، سوائے ان دو حرموں کے، ان کے علاوہ کسی جگہ کو حرم کہنا' جیسا کہ کئی جاہل لوگ حرم القدس اور حرم الخلیل کہتے ہیں' بالکل غلط ہے، کیونکہ یہ دونوں اور ان کے علاوہ کوئی اور جگہ حرم نہیں ہے۔اس بات پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے، اور وہ حرم جس کے حرم ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے وہ ہے حرمِ مکہ، اور رہا مدینہ تو جمہور علماء کے نزدیک اس کا بھی ایک حرم ہے جیسا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی مشہور احادیث موجود ہیں۔''

اور عبداللہ بن ہشام انصاری کہتے ہیں:

«وَمَا سَمِعْتُهُ مِنْ كِبَارِ أَهْلِ الْبَلَدِ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ: حَرَمُ الْقُدُسِ فَيُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللهُ افْتِرَاءً عَلَى اللهِ»(تحصيل الأنس لزائر القدس)

''میں نے اس شہر (بیت المقدس) کے رہائشیوں میں سے بڑے بڑے لوگوں سے سنا ہے کہ وہ ''حرمِ قدس'' کا لفظ بولتے ہیں، وہ اس چیز کو حرام قرار دیتے ہیں جسے اللہ نے حلال کہا ہے اور ایسا کہہ کر وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں''۔

اور سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی نے اپنے فتویٰ نمبر (۵۳۸۷) میں لکھا ہے:

«لاَ نَعْلَمُ دَلِيلاً يَدُلُّ أَنَّ الْمَسْجِدَ الأَقْصٰى حَرَمٌ، مِثْلَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ الشَّرِيفِ»(فتاوی اللجنة الدائمة: ۶/ ۲۲۷)

''ہمارے علم میں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس سے یہ پتہ چلے کہ مسجد اقصیٰ بھی مسجد حرام اور مسجد نبوی کی طرح حرم ہے''۔

مسجد اقصیٰ سب سے پہلے کس نے تعمیر کی؟ : مسجد اقصیٰ کے فضائل کے ضمن میں حضرت

ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بخاری شریف کے حوالے سے گذر چکی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا کہ روئے زمین پر سب سے پہلے مسجد حرام تعمیر کی گئی، پھر اس کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ مسجد حرام کے بعد سب سے قدیم مسجد ''مسجد اقصیٰ'' ہے۔ ایک اور روایت بھی مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی فضیلت کے ضمن میں ذکر کی جا چکی ہے، جس میں آیا ہے کہ سلیمان بن داؤد علیہ السلام جب ''بیت المقدس'' کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے تین دعائیں کیں......تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، لیکن ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ مسجد حرام کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا' جیسا کہ اللہ کے فرمان ﴿وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ﴾ (سورہ البقرۃ : ۲/ ۱۲۷) کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سارے علماء بیان کرتے ہیں، اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ مسجد اقصیٰ کو سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، تو اوپر بیان کی گئی ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں تو یہ ہے کہ ان دونوں مسجدوں کی تعمیر کا درمیانی عرصہ چالیس سال ہے، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ عرصہ تھا!! تو یہ بات کیسے درست ہو سکتی ہے کہ مسجد حرام سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اور مسجد اقصیٰ سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کی تھی؟

امام ابن القیم الجوزیہ رحمہ اللہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

«وَقَدْ أَشْكَلَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَلٰى مَنْ لَّمْ يَعْرِفِ الْمُرَادَ بِهِ، فَقَالَ: مَعْلُومٌ أَنَّ سُلَيْمَانَ بْنَ دَاوُدَ هُوَ الَّذِي بَنَى الْمَسْجِدَ الْأَقْصٰى، وَبَيْنَهُ وَبَيْنَ إِبْرَاهِيمَ أَكْثَرُ مِنْ أَلْفِ عَامٍ، وَهٰذَا مِنْ جَهْلِ هٰذَا الْقَائِلِ، فَإِنَّ سُلَيْمَانَ إِنَّمَا كَانَ لَهُ مِنَ الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى تَجْدِيدُهُ لَا تَأْسِيسُهُ، وَالَّذِي أَسَّسَهُ هُوَ يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِمَا وَعَلٰى آلِهِمَا وَسَلَّمَ بَعْدَ بِنَاءِ إِبْرَاهِيمَ الْكَعْبَةَ بِهٰذَا الْمِقْدَارِ» (زاد

المعاد: ۱/ ۵۰)

''اس حدیث سے اس شخص کو اشکال پیدا ہوا ہے جو اس کا مفہوم سمجھ نہیں سکا، چنانچہ اس کا کہنا ہے کہ یہ بات تو ہر ایک کو معلوم ہے کہ مسجد اقصیٰ کو حضرت سلیمان علیہ السلام ہی نے تعمیر کیا تھا، جبکہ ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ تھا!! تو اس شخص کی یہ بات اس کی جہالت کی وجہ سے ہے کیونکہ سلیمان علیہ السلام نے تو مسجد اقصیٰ کی محض تجدید کی تھی نہ کہ تاسیس، اور دراصل اس کے مؤسس یعقوب بن اسحاق علیہما السلام ہیں، جنھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کعبہ کو تعمیر کرنے کے چالیس سال بعد اس کی بنیاد رکھی تھی''۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام ابن الجوزی رحمہ اللہ سے اس اشکال کا جواب یوں نقل کیا ہے:

«إِنَّ الإِشَارَةَ إِلَى أَوَّلِ الْبِنَاءِ وَوَضْعِ أَسَاسِ الْمَسْجِدِ، وَلَيْسَ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ أَوَّلَ مَنْ بَنَى الْكَعْبَةَ، وَلاَ سُلَيْمَانُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ أَوَّلَ مَنْ بَنَى بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَقَدْ رُوِّينَا أَنَّ أَوَّلَ مَنْ بَنَى الْكَعْبَةَ آدَمُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ، ثُمَّ انْتَشَرَ وُلْدُهُ فِي الأَرْضِ، فَجَائِزٌ أَنْ يَكُونَ بَعْضُهُمْ قَدْ وَضَعَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ، ثُمَّ بَنَى إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلاَمُ الْكَعْبَةَ بِنَصِّ الْقُرْآنِ، وَكَذَا قَالَ الْقُرْطَبِيُّ: إِنَّ الْحَدِيثَ لاَ يَدُلُّ عَلَى أَنَّ إِبْرَاهِيمَ وَسُلَيْمَانَ لَمَّا بَنَيَا الْمَسْجِدَيْنِ ابْتَدَءَا وَضْعَهُمَا لَهُمَا، بَلْ ذٰلِكَ تَجْدِيدٌ لِّمَا كَانَ أَسَّسَهُ غَيْرُهُمَا» (فتح الباري: ٦/ ٤٩٥)

''اس (ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث) میں محض اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ روئے زمین پر سب سے پہلے کس مسجد کی بنیاد رکھی گئی، (باقی اس میں یہ نہیں ہے کہ مسجد حرام کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا)، لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے شخص نہیں جنھوں نے مسجد حرام کو سب سے پہلے بنایا، اور نہ ہی سلیمان علیہ السلام وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے بیت المقدس کو سب سے پہلے تعمیر کیا، کیونکہ ہم تک یہ بات

روایت کی گئی ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے جنھوں نے سب سے پہلے کعبہ کو تعمیر کیا، پھر ان کی اولاد زمین پر پھیل گئی، تو ہوسکتا ہے کہ ان کی اولاد میں سے ہی کسی نے بیت المقدس کو بھی تعمیر کر دیا ہو، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو (دوبارہ) تعمیر کیا' جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے' اور یہی بات امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی کہی ہے: کہ حدیث میں یہ بات قطعاً نہیں ہے کہ ابراہیم اور سلیمان علیہما السلام ان دونوں مسجدوں کی سب سے پہلے بنیادیں رکھنے والے تھے، بلکہ ان کی تعمیر تو در اصل تجدید تھی''۔

پھر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس اشکال پر کچھ دوسرے اقوال بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

«لٰكِنَّ الاِحْتِمَالَ الَّذِي ذَكَرَهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ أَوْجَهُ، وَقَدْ وَجَدْتُ مَا يَشْهَدُ وَيُؤَيِّدُ قَوْلَ مَنْ قَالَ إِنَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُوَ الَّذِي أَسَّسَ كِلَا الْمَسْجِدَيْنِ، فَذَكَرَ ابْنُ هِشَامٍ فِي كِتَابِ التِّيْجَانِ أَنَّ آدَمَ لَمَّا بَنَى الْكَعْبَةَ أَمَرَهُ اللهُ بِالسَّيْرِ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَأَنْ يَبْنِيَهُ، فَبَنَاهُ وَنَسَكَ فِيهِ»(فتح الباري: ٦/ ٤٩٥)

''جو احتمال ابن الجوزی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے (کہ ہوسکتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد بیت المقدس بنایا ہو) وہ زیادہ درست معلوم ہوتا ہے کیونکہ مجھے اس شخص کی تائید میں' جس کا کہنا ہے کہ دونوں مسجدوں کی بنیاد آدم علیہ السلام نے رکھی تھی' ایک قول ملا ہے جسے ابن ہشام نے کتاب التیجان میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام جب تعمیرِ کعبہ سے فارغ ہو چکے تو اللہ نے انھیں بیت المقدس کی طرف جانے اور اسے تعمیر کرنے کا حکم دیا، چنانچہ انھوں نے تعمیلِ حکم کرتے ہوئے اسے تعمیر کیا اور اس میں عبادت کی۔''

اور امام قرطبی رحمہ اللہ کا کہنا ہے:

«وَقَدْ رُوِيَ أَنَّ أَوَّلَ مَنْ بَنَى الْبَيْتَ (الْحَرَامَ) آدَمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَمَا تَقَدَّمَ، فَيَجُوزُ أَنْ يَكُونَ غَيْرُهُ مِنْ وَلَدِهِ وَضَعَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ

مِنْ بَعْدِهِ بِأَرْبَعِينَ عَامًا» (الجامع لأحكام القرآن: ٤/ ١٣٨)

''یہ بات بھی روایت کی گئی ہے کہ بیت اللہ (خانہ کعبہ) کو سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا، جیسا کہ گزر چکا' تو ہو سکتا ہے کہ انہی کی اولاد نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد بیت المقدس کو بھی تعمیر کر دیا ہو۔''

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ ایک قدیم مسجد ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام سے پہلے بھی موجود تھی، اسے سب سے پہلے کس نے تعمیر کیا؟ اس بارے میں کوئی صحیح روایت ہمارے علم میں نہیں ہے، بخاری شریف کی ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ مسجد اقصیٰ کو خانہ کعبہ کی تعمیر کے چالیس سال بعد تعمیر کیا گیا۔ اب اگر خانہ کعبہ کے متعلق یہ کہا جائے کہ اسے سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے بنایا تھا تو ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث کی بنا پر لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ بیت المقدس کو بھی خود آدم علیہ السلام یا ان کی اولاد نے تعمیر کیا تھا، اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تجدید کی تھی، اور اگر یہ کہا جائے کہ خانہ کعبہ کو سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا' جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ وغیرہ نے اسی بات کو ترجیح دی ہے' تو بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیت المقدس کو سب سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا کیونکہ ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان کئی صدیوں کا عرصہ تھا، البتہ اس صورت میں ابن القیم رحمہ اللہ کا قول وزنی معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کی تاسیس حضرت یعقوب علیہ السلام نے' پھر اس کی تجدید حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی تھی، واللہ اعلم۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ حدیث ابوذر رضی اللہ عنہ ذکر کرنے کے بعد یوں رقمطراز ہیں:

«وَعِنْدَ أَهْلِ الْكِتَابِ أَنَّ يَعْقُوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُوَ الَّذِي أَسَّسَ الْمَسْجِدَ الأَقْصٰى وَهُوَ مَسْجِدُ إِيلِيَا بِبَيْتِ الْمَقْدِسِ شَرَّفَهُ اللهُ، وَهٰذَا مُتَّجِهٌ، وَيَشْهَدُ لَهُ مَا ذَكَرْنَاهُ مِنَ الْحَدِيثِ، فَعَلٰى هٰذَا يَكُونُ بِنَاءُ يَعْقُوبَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ إِسْرَائِيلُ بَعْدَ بِنَاءِ الْخَلِيلِ وَابْنِهِ إِسْمَاعِيلَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بِأَرْبَعِينَ سَنَةً. . .»(قصص الأنبياء لابن

کثیر: ۱۵۵)

''اہلِ کتاب کے ہاں یہ بات معروف ہے کہ مسجد اقصیٰ کی بنیادیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے رکھی تھیں، بیت المقدس میں واقع اس مسجد کو مسجد ایلیا بھی کہتے ہیں' اللہ اسے شرف مندر رکھے' اور یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ جو حدیث ہم نے ذکر کی ہے وہ بھی اسی کی دلیل ہے، بنا بریں یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی بناءِ کعبہ کے چالیس سال بعد مسجد اقصیٰ کو تعمیر کیا تھا......''

اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ جس حدیث میں یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر مسجد اقصیٰ کے بعد تین دعائیں کی تھیں---- تو اس سے مراد اس کی تجدید ہے نہ کہ تاسیس۔ (قصص الأنبياء. ابن كثير: ۱۵۵)

اور سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی نے اپنے ایک فتویٰ میں لکھا ہے:

«اُخْتُلِفَ فِي مَنْ بَنَى الْمَسْجِدَ الأَقْصٰى، فَقِيلَ: نَبِيُّ اللهِ يَعْقُوبُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، وَهُوَ أَشْبَهُ، وَقِيلَ: سُلَيْمَانُ، وَالصَّحِيحُ أَنَّ بِنَاءَ سُلَيْمَانَ تَجْدِيدٌ لَا تَأْسِيسٌ لأَنَّ بَيْنَهُ وَبَيْنَ إِبْرَاهِيمَ أَزْمَانًا كَثِيرَةً أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ»(فتاوى اللجنة الدائمة: ٦/ ٢٢٨)

''اس بات میں اختلاف ہے کہ مسجد اقصیٰ کو کس نے بنایا؟ تو کہا گیا ہے کہ اسے اللہ کے نبی حضرت یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام نے بنایا تھا، اور یہی بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنایا تھا، لیکن صحیح یہ ہے کہ انھوں نے اس کی تجدید کی تھی نہ کہ تاسیس، کیونکہ ان کے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان چالیس سال سے کہیں زیادہ کا عرصہ تھا۔''

مسجد اقصیٰ کی تعمیر مختلف ادوار میں

۱- عہد فاروقی میں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ۱۴ھ میں جب بیت المقدس فتح ہوا (جس کا تفصیلی ذکر بعد میں آرہا ہے) تو آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ کے قریب ایک سادہ اور چھوٹا سا مصلیٰ تعمیر کرنے کا حکم دیا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق ایک مصلیٰ لکڑی کے موٹے تنوں کے ساتھ بنادیا گیا۔

۲- عہد بنوامیہ میں: اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان (۶۵ھ تا ۸۶ھ) نے عہدِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں بنائے گئے سادہ مصلیٰ کو نئے سرے سے تعمیر کیا، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی شمالی جانب ایک "قبہ" بھی تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ ابھی اس کی تعمیر جاری تھی کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد ان کے بیٹے ولید بن عبدالملک بن مروان نے "المصلی الجامع" اور "قبۃ الصخرۃ" کو انتہائی شاندار طریقے سے تعمیر کیا جنھیں آج بھی اسلامی فنِ تعمیر کے گوہرِ نایاب قرار دیا جا سکتا ہے۔

۳- عہد بنوعباس میں: ۱۳۸ھ میں' جب عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کا دورِ حکومت تھا' ایک شدید زلزلہ آیا، جس کے باعث مسجد اقصیٰ (المصلی الجامع) کے مشرقی اور مغربی حصے گر گئے، چنانچہ ابوجعفر منصور نے مسجد کے دروازوں میں لگے ہوئے سونے' چاندی کے ٹکڑوں کو نقدی میں تبدیل کیا اور اسی سے مسجد کی تعمیر مکمل کی، لیکن ۱۵۸ھ میں پھر زلزلہ آیا، اس سے بھی مسجد شدید متأثر ہوئی، اس وقت مہدی خلیفہ تھا، وہ خود بیت المقدس گیا اور ۱۶۳ھ تک اس نے مسجد کی تعمیر مکمل کر دی۔

۴- عہد فاطمی میں: ۴۰۶ھ میں' جب الحاکم بأمر اللہ خلیفۂ وقت تھا' ایک زبردست زلزلہ آیا، جس سے المصلی الجامع اور قبۃ الصخرۃ کے بہت سارے حصے دھڑام سے گر گئے، پھر ۴۱۲ھ میں الظاہر خلیفہ بنا، اس نے اپنے ایک وزیر کو' جس کا نام علی بن احمد تھا' مسجد کے گرے ہوئے حصوں کو دوبارہ تعمیر کرنے، اور جن دیواروں میں دراڑیں پڑ گئی تھیں، ان کی اصلاح

کرنے کا حکم دیا، اس نے تعمیر واصلاح کا کام سرانجام دیا اور اس کے ساتھ ساتھ مسجد کے دو مشرقی اور دو مغربی برآمدوں کو گرا کر مسجد کو چھوٹا بھی کر دیا۔ ۴۲۵ھ میں ایک بار پھر زلزلہ آیا تو متأثرہ حصوں کی تجدید کر دی گئی، اسی طرح خلیفہ مستنصر باللہ نے بھی ۴۴۸ھ میں مسجد کی شمالی دیوار اور ٹوٹے ہوئے برآمدوں کو دوبارہ تعمیر کیا۔

۵- صلیبی دور میں: ۴۹۱ھ میں بیت المقدس سلجوقیوں کے قبضہ میں تھا، اس وقت صلیبیوں کی فوجیں شام کے آس پاس موجود تھیں۔ اُدھر فاطمی فوجوں نے سلجوقیوں کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، اور بیت المقدس کو ان سے چھین لیا۔ اس معرکے میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے، فاطمیوں نے افتخار الدولہ کو بیت المقدس کا گورنر مقرر کر دیا، اور کچھ عرصہ گذرا تھا کہ صلیبیوں نے بیت المقدس پر حملہ کر دیا، اور بالآخر ۴۹۳ھ/ ۱۰۹۹ء میں اس پر قبضہ کر لیا۔

افتخار الدولہ اپنے محافظوں سمیت مالی فدیہ دے کر فرار ہو گیا اور صلیبیوں نے مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ صلیبی تقریباً ۹۰ سال بیت المقدس پر قابض رہے، اس دوران مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا گیا، عزتیں لوٹی گئیں، امن وامان کو تہس نہس کر دیا گیا، اور مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی شدید بے حرمتی کی گئی۔ مسجد اقصیٰ کو گرجا گھر میں تبدیل کر دیا گیا، "قبۃ الصخرۃ" پر صلیب نصب کر دی گئی اور مسجد اقصیٰ کے برآمدے گھوڑوں کے اصطبل کے طور پر استعمال کیے جاتے رہے۔

۶- عہد ایوبی میں: سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ سے بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ برداشت نہ ہوا، اور انھوں نے ان کے خلاف اعلانِ جہاد کر دیا۔ جذبۂ شہادت سے سرشار، اور مسجد اقصیٰ کی مبارک سرزمین پر سجدہ کرنے کے لیے بے تاب مسلمان ایوبی کی قیادت میں آگے بڑھے، اور ۲۶ رجب ۵۸۳ھ کو بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضے سے آزاد کرا لیا۔ صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ فاتحانہ انداز میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے، مسجد میں رکھے ہوئے

بتوں اور قبۃ الصخرۃ پر نصب صلیب کو توڑ دیا' اور مسجد کی اصل اسلامی شکل کو بحال کر دیا گیا۔ [ایوبی کے ہاتھوں فتحِ بیت المقدس کا تفصیلی حال آگے آرہا ہے] ، پھر وہ شاندار منبر' جسے نور الدین زنگی نے مسجد اقصیٰ کے لیے بنوایا تھا' مسجد اقصیٰ میں لایا گیا اور محرابِ مسجد کے قریب نصب کر دیا گیا ، یاد رہے کہ یہی وہ منبر تھا جسے ۱۹۶۹ء میں یہودیوں نے جلا ڈالا۔ پھر ایوبی ہی کے دور میں مسجد اقصیٰ کی اس قدر تزئین کی گئی کہ اس کی نشانیاں آج بھی موجود ہیں۔

۷۔ عہدِ مملوکی میں: ۶۶۱ھ میں تاجِ بادشاہت مملوک سلطان ''الظاہر بیبرس'' کے سر پر سجایا گیا ، اس نے مسجد اقصیٰ کے تمام منہدم حصوں کو نئے سرے سے تعمیر کر دیا ، اور اس میں ایک سرائے بھی بنوائی جس میں تاجروں کی بہت بڑی تعداد جمع ہو سکتی تھی ، پھر اس مسجد کے ارد گرد واقع بہت ساری املاک کو اس نے مسجد اقصیٰ کے لیے وقف کر دیا ، جن کی آمدنی مسافروں اور محتاجوں کی مدد کے لیے خرچ کی جاتی تھی ۔ اس نے سالانہ پانچ ہزار درہم کا بجٹ بھی مسجد اقصیٰ کے اخراجات کے لیے منظور کر لیا۔ اس کے علاوہ عہدِ مملوکی میں مسجد اقصیٰ کے اندر مدرسہ تنکزیہ، باب الأسباط کے اوپر ایک عالی شان مینار ، پانی کی ایک سبیل ، اور ایک عدد شاندار منبر بھی بنایا گیا۔

۸۔ عہدِ عثمانی میں: اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی میں عہدِ عثمانی کے پانچ سلطانوں نے مسجد اقصیٰ کی تعمیر و تزئین پر خصوصی توجہ دی ۔ بیت المقدس کی بیرونی چار دیواری نئے سرے سے تعمیر کی گئی ، مسجد کی کھڑکیوں میں رنگین شیشے لگائے گئے ، اس میں خوبصورت قالین بچھائے گئے ، چاندی کا شمعدان نصب کیا گیا ، متعدد نئی سبیلیں بنائی گئیں اور پرانی سبیلوں کی تجدید کی گئی۔

۹۔ برطانوی دورِ حکومت میں: پہلی جنگ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) کے بعد جب بیت المقدس پر حکومت کرنے کا عارضی اختیار برطانیہ کو سونپ دیا گیا' تو اس کے مقاماتِ مقدسہ پر نگرانی کا کام

فلسطین کی ایک اعلیٰ نگران کمیٹی کے ذمہ تھا، جس نے ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۸ء تک مسجد اقصیٰ کی حفاظت کی، اور جہاں جہاں تعمیر واصلاح کا کام ضروری تھا اسے ذمہ داری کے ساتھ پورا کیا گیا۔

۱۰۔صہیونی دور میں: ۱۹۴۸ء میں ''اسرائیل'' کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد جب قدیم بیت المقدس اردن کی تحویل میں آیا' مسجد اقصیٰ کی تعمیر واصلاح کا تھوڑا بہت کام مسلمانوں کی نگرانی میں ہوتا رہا، چنانچہ ۱۹۵۲ء میں اس کے کئی حصوں کو نئے سرے سے تعمیر کیا گیا جس پر پانچ لاکھ پچیس ہزار اردنی دینار خرچ ہوئے۔ ۱۹۵۶ء میں کئی سعودی کنٹریکٹرز نے بھی تعمیر واصلاح کا کام کیا، لیکن ۱۹۶۷ء میں جونہی یہودیوں نے پورے بیت المقدس پر قبضہ کیا، تعمیر ومرمت کے کاموں میں ان کی طرف سے رکاوٹیں کھڑی کی گئیں، اور اس پر مستزاد یہ کہ انتہا پسند یہودیوں کی جانب سے مسجد اقصیٰ کے اردگرد گڑھے اور خندقیں کھودنے کا کام شروع کردیا گیا، جس کا مقصد مسجد اقصیٰ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا اور اسے منہدم کرنا تھا۔ پھر اگست ۱۹۶۹ء میں یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کو آگ لگا دی جس سے مسجد کو زبردست نقصان پہنچا، منبر جل کر راکھ ہوگیا۔ مسجد کا جنوبی حصہ' جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مصلیٰ تعمیر کیا تھا' وہ بھی جل گیا۔ اسی طرح وہ خوبصورت قبہ بھی جل گیا جس کی سجاوٹ اور تزئین پر گراں سرمایہ لگایا گیا تھا اور جس پر کئی تاریخی دستاویزات بھی خوبصورت انداز میں لکھی گئی تھیں، لیکن یہودیوں کی مکاریوں، چالبازیوں اور سازشوں کے باوجود مسلمان مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر واصلاح اور اس کے ساتھ اپنی والہانہ عقیدت سے کبھی دستبردار نہیں ہوئے، اور کسی نہ کسی طریقے سے اس کی حفاظت کے لیے متعدد اقدامات کرتے رہے ہیں، انہی اقدامات میں سے ایک [المصلی المروانی] کی تجدید بھی ہے، جسے ۱۲ دسمبر ۱۹۹۶ء کو نمازیوں کے لیے کھولا گیا۔ یاد رہے کہ یہ مروانی مصلیٰ مسجد اقصیٰ ہی کے صحن کے اندر واقع ہے۔

مسجد اقصیٰ کے اندر کیا کچھ ہے؟: مسجد اقصیٰ کا احاطہ بہت وسیع ہے اور اس کے اندر کیا کیا چیزیں واقع ہیں؟ یہ کم ہی کسی کو معلوم ہے، اس لئے ہم ذیل میں اس سے متعلقہ معلومات قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے ہیں:

مسجد اقصیٰ کی حدود: بہت سارے لوگوں کا خیال ہے کہ ''مسجد اقصیٰ'' صرف اس جامع مسجد کا نام ہے جو کہ قبۃ الصخرۃ کے جنوب میں واقع ہے، اور جس میں اب پانچ نمازیں پڑھی جاتی ہیں، حالانکہ یہ خیال غلط ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ''مسجد اقصیٰ'' اس پورے خطّے کا نام ہے جسے چاروں طرف سے ایک دیوار نے گھیر رکھا ہے، اور اس میں جامع مسجد کے علاوہ قبۃ الصخرۃ، مروانی مصلیٰ، متعدد دروازے اور مینار، برآمدے اور قبے، اونچے اونچے چبوترے اور پانی کی سبیلیں وغیرہ شامل ہیں۔ یاد رہے کہ مسجد اقصیٰ کے پورے خطّے پر چھت نہیں ہے، بلکہ صرف جامع مسجد اور قبۃ الصخرۃ پر چھتیں موجود ہیں، اس کے باقی حصے اس کے صحن شمار ہوتے ہیں۔ یوں مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی جو فضیلت احادیث میں بیان کی گئی ہے، وہ اس کی چار دیواری کے اندر کہیں بھی نماز پڑھ کر حاصل کی جا سکتی ہے۔

جامع مسجد: یہ جامع مسجد قبۃ الصخرۃ کے جنوب میں (خانہ کعبہ کی سمت) واقع ہے، اسی جامع مسجد کو آج کل لوگ مسجد اقصیٰ تصور کرتے ہیں۔ اسے اسلامی دور میں سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سادہ انداز میں بنایا تھا، پھر اموی دورِ خلافت میں اسے پوری شان وشوکت کے ساتھ تعمیر کیا گیا۔ اس کی لمبائی ۸۰ میٹر اور چوڑائی ۵۵ میٹر ہے، اس کے اندر سنگِ مرمر کے ۵۳ اور عام پتھر کے ۴۹ ستون ہیں اور خانہ کعبہ کی جانب ایک سبز رنگ کا قبہ ہے۔ اس جامع مسجد کے گیارہ دروازے ہیں، سات شمال میں، ایک جنوب میں، ایک مشرق میں اور دو مغرب میں۔

قبۃ الصخرۃ: یہ اسلامی فنِ تعمیر کا ایک چمکتا ہوا ستارہ ہے، اسے ولید بن عبد الملک بن مروان نے مسجد اقصیٰ کی چار دیواری کے اندر تعمیر کیا تھا، اور جس شان وشوکت اور انتہائی خوبصورت شکل

وصورت میں اس نے اسے تعمیر کیا تھا یہ آج بھی اسی شکل وصورت میں موجود ہے۔ یوں اس کی عمر تقریباً تیرہ سو سال سے زیادہ ہے۔ یہ جامع مسجد کے شمال میں واقع ایک اونچے صحن پر بنا ہوا ہے۔ آپ جامع مسجد کے شمالی دروازے سے نکلیں تو جائے وضو سے گذر کر قبۃ الصخرۃ کی سیڑھیوں تک جا پہنچیں گے، اس کی لمبائی شمال سے جنوب کی جانب ۵۵۰ میٹر ہے، جبکہ چوڑائی (مشرق سے مغرب کی طرف) ۳۵۰ میٹر ہے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قبۃ الصخرۃ کی الگ کوئی فضیلت نہیں ہے، اگر کوئی فضیلت ہے تو وہ محض اس کے مسجد اقصیٰ کے اندر واقع ہونے کی وجہ سے ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کے متعلق بے بنیاد باتیں پھیلا رکھی ہیں' مثلاً یہ کہ:

(۱) اس کے اوپر ایک موتی رات کے وقت سورج کی طرح چمکتا تھا، پھر بخت نصر نے اسے خراب کر دیا تھا۔

(۲) یہ جنت کے پتھروں میں سے ایک ہے۔

(۳) زمین کے تمام پانی اسی قبۃ الصخرۃ کے نیچے سے جاری ہوتے ہیں۔

(٤) یہ قبہ فضا میں لٹکا ہوا ہے، زمین سے جڑا ہوا نہیں۔

(٥) اس پر رسول اللہ ﷺ کے قدموں اور فرشتوں کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔

(٦) یہ اللہ کا زمینی عرش ہے اور خطۂ زمین کے عین وسط میں واقع ہے۔

(٧) اسی سے نبی کریم ﷺ کو معراج کے لیے آسمانوں کی طرف لے جایا گیا، اور جب آپ ﷺ روانہ ہوئے تھے تو یہ بھی اوپر اٹھ گیا تھا، لیکن جبریل علیہ السلام نے اسے ٹھہر جانے کا حکم دیا تو یہ ٹھہر گیا۔

(٨) قبۃ الصخرۃ کی مسجد اقصیٰ میں وہی فضیلت ہے جو کہ خانہ کعبہ میں جڑے ہوئے حجر اسود کی ہے۔

قبۃ الصخرۃ کے بارے میں یہ اور اس طرح کی دیگر خرافات زبان زدِ عام ہیں، جن کا

قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ صخرۃ کے متعلق تمام احادیث کو جھوٹا قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

«وَكُلُّ حَدِيثٍ فِي الصَّخْرَةِ فَهُوَ كَذِبٌ مُّفْتَرًى، وَالْقَدَمُ الَّذِي فِيهَا كَذِبٌ مَّوْضُوعٌ مِّمَّا عَمِلَتْهُ أَيْدِي الْمُزَوِّرِينَ الَّذِينَ يُرَوِّجُونَ لَهَا لِيَكْثُرَ سَوَادُ الزَّائِرِي»(المنار المنيف، ص: ٨٧)

''صخرۃ'' کے متعلق تمام احادیث جھوٹی اور من گھڑت ہیں، اور اس میں (آپ ﷺ کے) قدموں کے جو نشانات بتائے جاتے ہیں وہ بھی جھوٹے ہیں اور جھوٹے لوگوں کی طرف سے بنائے گئے ہیں، اور وہی انھیں مشہور بھی کرتے ہیں تاکہ زائرین کی تعداد میں اضافہ ہو''۔

اور عبد اللہ بن ہشام انصاری رقمطراز ہیں:

«قَدْ بَلَغَنِي أَنَّ قَوْمًا مِّنَ الْجُهَلَاءِ يَجْتَمِعُونَ يَوْمَ عَرَفَةَ بِالْمَسْجِدِ، وَأَنَّ مِنْهُمْ مَنْ يَّطُوفُ بِالصَّخْرَةِ، وَأَنَّهُمْ يَنْفِرُونَ عِنْدَ غُرُوبِ الشَّمْسِ، وَكُلُّ ذٰلِكَ ضَلَالٌ وَّأَضْغَاثُ أَحْلَامٍ» (تحصيل الأنس لزائر القدس، ح: ٦٤)

''میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ عرفہ کے روز کچھ جاہل لوگ مسجد اقصیٰ میں جمع ہوتے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگ صخرۃ کا طواف کرتے ہیں، اور غروبِ آفتاب کے وقت واپس چلے جاتے ہیں، حالانکہ یہ محض گمراہی اور اڑتے پھرتے پراگندہ خیالات ہیں''۔

اور شیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ کہتے ہیں «اَلْفَضِيلَةُ لِلْمَسْجِدِ الأَقْصٰى، وَلَيْسَتْ لِلصَّخْرَةِ، وَمَا ذُكِرَ فِيهَا لَا قِيمَةَ لَهُ إِطْلَاقًا مِّنَ النَّاحِيَةِ الْعِلْمِيَّةِ»

''فضیلت صرف مسجد اقصیٰ کی ہے، صخرہ کی نہیں، اور اس کے متعلق جو کچھ ذکر کیا جاتا ہے اس کی علمی طور پر کوئی قیمت نہیں ہے''۔

اور سعودی عرب کی فتویٰ کمیٹی نے بھی لکھا ہے:

«وَلَيْسَتْ صَخْرَةُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ مُعَلَّقَةً فِي الْفَضَاءِ وَحَوْلَهَا هَوَاءٌ مِّنْ جَمِيعِ نَوَاحِيهَا بَلْ لاَ تَزَالُ مُتَّصِلَةً مِّنْ جَانِبٍ بِالْجَبَلِ الَّتِي هِيَ جُزْءٌ مِّنْهُ مُتَمَاسِكَةً مَّعَهُ»(فتاوى اللجنة الدائمة: ١/ ٢٦)

''بیت المقدس کا صخرۃ فضا میں لٹکا ہوا ہرگز نہیں کہ اس کے اردگرد چاروں طرف ہوا ہی ہو، بلکہ وہ ایک چٹان کے ساتھ ملا ہوا ہے جس کا وہ ایک حصہ ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیت المقدس میں گئے، انھوں نے مسجد اقصیٰ میں محض نماز ادا کی، اس کے علاوہ انھوں نے صخرہ کا طواف کیا نہ اسے بوسے دیے، اس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک مسجد اقصیٰ میں صرف نماز پڑھنے کی فضیلت ہے، صخرہ کی کوئی الگ فضیلت ان کے نزدیک نہیں تھی۔

مسجد اقصیٰ کے دروازے: مسجد اقصیٰ کی چاردیواری میں لگائے گئے دروازوں کی تعداد ۱۴ ہے' یہ سب مسجد کی شمالی اور مغربی سمت میں واقع ہیں۔ ان میں سے چار دروازے یہودیوں نے بند کر رکھے ہیں، اور ایک دروازہ (باب المغاربہ) کو کھولنے اور بند کرنے کا مکمل اختیار بھی انہی کے پاس ہے۔ یہ دروازہ ''جامع مسجد'' کے بالکل قریب ہے اور یہودی اسے بالکل بند کر دینے کے درپے ہیں، کیونکہ وہ اسی دروازے کی جگہ پر اپنا ''عبادت خانہ'' بنانا چاہتے ہیں۔ جو دروازے کھلے ہیں اور انھیں کھولنے اور بند کرنے کا اختیار مسلمانوں کے پاس ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں: باب الأسباط' باب حطة' باب العتم' باب الغوانم' باب المطهرة' باب القطانين' باب السلسلة' باب الحديد' باب الناظر۔

مسجد اقصیٰ کے مینار: مسجد اقصیٰ کے چار مینار ہیں جنھیں عہدِ مملوکی میں تعمیر کیا گیا تھا، ان میں سے تین مینار مسجد کی ایک ہی سمت یعنی مغرب میں واقع ہیں، اور ایک شمالی سمت میں باب الأسباط کے قریب ہے۔ یہ چاروں مینار مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مینارِ فخریہ: یہ مسجد اقصیٰ کے جنوب مغرب میں' مدرسہ فخریہ کے اوپر' اسلامی عجائب گھر کے

پہلو میں واقع ہے، اسے قاضی شرف الدین عبدالرحمٰن نے ۶۷۷ء میں بنایا تھا۔

۲- مینارِ باب الغوانم: یہ مسجد اقصیٰ کے شمال مغرب میں ہے، اور یہ سب سے بڑا مینار ہے۔

۳- مینارِ باب السلسلہ: یہ مسجد کے مغرب میں باب السلسلہ سے چند میٹر کے فاصلے پر واقع ہے اسے منارۃ المحکمۃ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ عہدِ عثمانی میں یہاں پر ایک عدالت لگا کرتی تھی۔

٤- مینارِ باب الأسباط: یہ مینار مسجد اقصیٰ کے شمال میں مدرسہ صلاحیہ کے قریب واقع ہے، اور یہ سب سے زیادہ خوبصورت اور انتہائی شاندار مینار ہے، اسے سیف الدین قطلو بغا نے ۷۶۹ء میں تعمیر کیا تھا۔

مروانی مصلیٰ: یہ مسجد اقصیٰ کے جنوب مشرق میں واقع ہے، اس کے سولہ برآمدے اور آٹھ دروازے ہیں۔ اسے عہدِ بنوامیہ میں بنایا گیا اور عبدالملک بن مروان کے دورِ خلافت میں اس سے ایک مدرسہ کا کام لیا جاتا تھا، تب سے اسے مروانی مصلیٰ کا نام دے دیا گیا، پھر جب صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تو اسے گھوڑوں اور دیگر جانوروں کے باندھنے کے لیے استعمال کیا گیا۔ اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا حالانکہ یہ محض ایک جھوٹ ہے، جسے یہودی ذرائع ابلاغ نے ہی گھڑا اور منتشر کیا ہے، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسجد اقصیٰ پر وہ اپنا کوئی حق ثابت کرسکیں۔

جائے وضو: یہ سنگِ مرمر سے بنا گول شکل کا ایک خوبصورت حوض ہے، اور اس کے وسط میں ایک فوارہ ہے، اس کے چاروں طرف ٹونٹیاں لگی ہوئی ہیں جن سے نمازی حضرات وضو کرتے ہیں۔ یہ جامع مسجد اور قبۃ الصخرۃ کے درمیان واقع ہے۔

دیوارِ براق: یہ مسجد اقصیٰ کی جنوب مغربی دیوار ہے، جسے حائط البراق کہا جاتا ہے اور اس کی لمبائی ۵۰ میٹر اور اونچائی ۲۰ میٹر ہے۔ یہ مسجد اقصیٰ کا ہی ایک حصہ ہے اور مسلمان اسے اپنی املاک میں شمار کرتے ہیں، جبکہ یہود اسے حائط المبکی ''دیوار گریہ'' کا نام دیتے ہیں اور ان کا

دعویٰ ہے کہ یہ ''ہیکل سلیمانی'' کا بقیہ حصہ ہے۔

کنویں: مسجد اقصیٰ کے صحن میں کئی کنویں موجود ہیں جن کی تعداد تقریبا ۲۶ ہے۔ یہ کنویں مسجد اقصیٰ کی چار دیواری کے اندر کھودے گئے ہیں، تاکہ بارشوں کا پانی انہی کنووں میں جمع ہوتا رہے اور ضائع نہ ہو۔ یہ کنویں پکے پتھر سے بنے ہوئے ہیں اس لئے ان میں کم ہی کوئی کنواں خراب ہوتا ہے۔ کنویں کا منہ تنور کے منہ کی طرح تنگ اور گول ہوتا ہے، اور اس پر ایک بڑا ڈھکن رکھ دیا جاتا ہے تاکہ اس کے اندر کوئی چیز نہ گرے، ہر کنویں کا الگ الگ نام ہے اور ان سے نمازیوں کے علاوہ بیت المقدس کے دیگر رہائشی بھی مستفید ہوتے ہیں۔

پانی کی سبیلیں: مسجد اقصیٰ کے صحن میں پانی کی گیارہ سبیلیں موجود ہیں، ہر ایک کا الگ الگ نام ہے، ان میں مشہور ترین سبیل ''سبیلِ قایت بائے'' ہے جو کہ عہدِ مملوکی کے اعلیٰ فنِ تعمیر کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ سبیل باب السلسلہ اور باب القطانین کے درمیانی صحن میں واقع ہے، اسے سنگِ مرمر سے تعمیر کیا گیا ہے، اس کے اوپر ایک خوبصورت قبہ ہے اور چاروں طرف پانی پینے کے لیے کھڑکیاں بنی ہوئی ہیں۔

چبوترے: مسجد اقصیٰ علمی حلقوں کے ساتھ مشہور رہی ہے، کیونکہ بہت سارے نامور علماء اس میں بے شمار طالب علموں کو پڑھاتے رہے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک چبوترہ خاص ہوتا تھا جو کہ زمین کی سطح سے ایک یا دو سیڑھیوں کے برابر اونچا بنایا جاتا تھا، اور اس کی ایک سمت ایک چھوٹی سی محراب بھی تعمیر کی جاتی تھی جس کی طرف پیٹھ کر کے استاذ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے طالب علموں کو درس دیا کرتا تھا۔ اب بھی مسجد اقصیٰ کے صحنوں میں اس طرح کے تیس کے قریب چبوترے موجود ہیں۔

بیت المقدس میں یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کا خطاب: حضرت حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو پانچ باتوں کا حکم دیا کہ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنو اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں، اور قریب تھا کہ وہ انھیں مؤخر کر دیتے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: اللہ نے آپ کو پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ آپ بنو اسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کا حکم دیں، لہذا یا تو آپ خود انھیں حکم جاری کر دیں یا پھر میں انھیں ان کے متعلق حکم جاری کرتا ہوں' تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے کہا: مجھے خدشہ ہے کہ اگر آپ مجھ سے سبقت لے گئے تو کہیں مجھے زمین میں دھنسا نہ دیا جائے یا عذاب میں مبتلا نہ کر دیا جائے، چنانچہ انھوں نے لوگوں کو بیت المقدس میں جمع ہونے کو کہا، جس پر مسجد لوگوں سے بھر گئی اور جو لوگ مسجد سے باہر تھے وہ ٹیلوں پر چڑھ گئے، پھر حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اپنا خطاب یوں شروع فرمایا:

اللہ نے مجھے اور آپ سب کو پانچ باتوں پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت بناؤ، کیونکہ مشرک کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے اپنے خالص مال (سونے چاندی) سے ایک غلام خرید کیا، پھر اس سے کہا کہ یہ ہے میرا گھر اور یہ ہے میرا کام، تم محنت کرو اور جتنی آمدنی ہو مجھے ادا کرتے رہو، اب وہ غلام محنت مزدوری تو کرتا ہو لیکن ادائیگی اپنے آقا کو چھوڑ کر کسی اور کو کرتا ہو، تو تم میں کون ہے جو اس طرح کے غلام کو پسند کرتا ہو؟

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، لہذا تم جب نماز پڑھو تو دورانِ نماز اللہ کے سوا کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک اپنے بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے جب تک وہ نماز میں کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ میں تمھیں روزے رکھنے کا حکم دیتا ہوں اور روزہ دار کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جو ایک جماعت میں ہو اور اس کے پاس کستوری کی خوشبو ہو، تو جماعت کے

تمام لوگوں کو اس کی خوشبو پسند ہوتی ہے، سو روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی اچھی ہوتی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ میں تمھیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا ہوں، اور صدقہ کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جسے دشمنوں نے قیدی بنا لیا ہو اور اسے قتل کرنے کے لیے بالکل تیار ہو چکے ہوں، تو وہ ان سے کہے کہ میں تمھیں تھوڑا یا زیادہ مال دے کر اپنی جان بچانا چاہتا ہوں، اور اس طرح وہ اپنی جان بچانے میں کامیاب ہو جائے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ میں تمھیں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں اور ذکر کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پیچھے دشمن لگا ہو، اور اچانک وہ ایک مضبوط قلعے میں داخل ہو کر اس سے اپنی جان بچا لے۔ اسی طرح بندہ ہے کہ وہ بھی اللہ کا ذکر کر کے شیطان سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے......" (ترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء في مثل الصلاة والصيام والصدقة، ح: ٢٨٦٣ - ابن خزيمة، باب النهي عن الالتفات في الصلاة، ح: ٩٣٠ - مصنف عبدالرزاق، باب لزوم الجماعة، ح: ٢٠٧٠٩، مسند أبو يعلى ألموصلي، ج: ٣، ص: ١٤٠، ح: ١٥٧١ - أحمد ٤/ ١٣٠، ٢٠٣، الحاكم وغيره.)

مسجد اقصیٰ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی ایک پیشین گوئی: حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں، آپ نے مستقبل میں پیش آنے والے کئی اہم واقعات وحوادث کے متعلق پیشین گوئیاں فرمائی ہیں، جن میں سے کئی پوری ہو چکی ہیں اور جو پوری نہیں ہوئیں وہ یقیناً پوری ہونگی۔ مسجد اقصیٰ کے متعلق بھی آپ ﷺ نے خبردار کیا تھا کہ دشمن اس کے خلاف سازشیں کریں گے اور مسلمان اس سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے بھی اس قدر بے بس ہو جائیں گے کہ اگر ایک مسلمان کے پاس زمین کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی ہوگا جہاں سے وہ مسجد اقصیٰ کو دیکھ سکے گا تو اسے وہ چھوٹا سا ٹکڑا پوری دنیا سے زیادہ محبوب ہوگا!!

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا کہ مسجد نبوی افضل ہے یا مسجد اقصیٰ؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي أَفْضَلُ مِنْ أَرْبَعِ صَلَوَاتٍ فِيهِ، وَلَنِعْمَ الْمُصَلَّى، وَلَيُوشِكَنَّ أَنْ يَكُونَ لِلرَّجُلِ مِثْلُ شَطَنِ فَرَسِهِ مِنَ الأَرْضِ حَيْثُ يَرَى مِنْهُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ خَيْرٌ لَهُ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا»

(المستدرك للحاكم: ٤/ ٥٠٩ وصححه ووافقه الذهبي وصححه الألباني في الصحيحة، ح: ٢٩٠٢)

”میری مسجد میں ایک نماز بیت المقدس میں چار نمازوں سے افضل ہے، اور وہ (بیت المقدس) بہت اچھی جائے نماز ہے، اور بہت قریب ہے کہ ایک شخص کے پاس اپنے گھوڑے کی رسی کے بقدر زمین کا ٹکڑا ہو جہاں سے وہ بیت المقدس کو دیکھ سکتا ہو تو اس کے لیے یہ پوری دنیا سے بہتر ہوگا۔“

اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تحویلِ قبلہ کے باوجود مسجد اقصیٰ کو بھولے نہیں، اور وہ اپنی مجلسوں میں اس کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔
- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ کی تعریف فرمائی، اور اس میں پڑھی گئی ایک نماز کو مسجد نبوی میں پڑھی گئی ایک نماز کے چوتھے حصے کے برابر قرار دیا، اور یہ بات معلوم ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز پڑھنے سے ایک ہزار نمازوں کا ثواب ملتا ہے، تو گویا مسجد اقصیٰ کی ایک نماز ۲۵۰ نمازوں کے برابر ہوئی۔
- اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بیت المقدس کا مقام ومرتبہ مسلمانوں کے ذہنوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا، اور وہ اس سے کبھی دستبردار نہیں ہونگے، اور اس کے ساتھ ان کا شغف اس قدر زیادہ ہوگا کہ اگر بیت المقدس میں انھیں ایک چھوٹا

سا قطعہ زمین بھی میسر آئے جہاں سے وہ مسجد اقصیٰ کو دیکھ سکیں تو وہ انھیں دنیا بھر کے مال ومتاع کی بہ نسبت زیادہ محبوب ہوگا۔

⊛ اور اس حدیث میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ مسجد اقصیٰ کی حفاظت کے سلسلے میں مسلمان آزمائشوں کا سامنا کریں گے، انھیں بیت المقدس سے نکال باہر کرنے کی سازشیں ہونگی جبکہ انھیں بیت المقدس کا ایک ایک انچ دنیا ومافیھا سے زیادہ عزیز ہوگا...... اور آج بیت المقدس میں اور اس کے آس پاس جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس حدیث کی صداقت کے لیے کافی ہے، چنانچہ:

۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد' جس میں یہودیوں نے پورے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تھا' بیت المقدس میں سالہا سال سے آباد ہزاروں مسلمانوں کو نکال باہر کیا گیا اور جو وہاں موجود رہے انھیں ''اجنبی'' تصور کر کے بہت ساری سہولتوں سے محروم کر دیا گیا۔

جو مسلمان اب بیت المقدس میں آباد ہیں انھیں بھی وہاں سے باہر نکالنے کے لیے مختلف حربے استعمال کئے جا رہے ہیں چنانچہ ''امن عامہ'' کا ڈھونگ رچا کر بیت المقدس کی اس طرح ناکہ بندی کردی گئی ہے کہ مسلمانوں کا جینا مشکل ہو گیا ہے، ضروریاتِ زندگی کی سپلائی میں زبردست رکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں جس کا مقصد مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا ہے۔

اس کے علاوہ بیت المقدس میں مقیم مسلمانوں کے وہ رشتہ دار جو غزۃ اور مغربی کنارے کے رہنے والے ہیں وہ اگر بیت المقدس میں رہنے والے اپنے رشتہ داروں سے ملنا چاہیں تو اس کے لیے انھیں یہودی وزارتِ داخلہ سے ''خصوصی پاس'' لینا پڑتا ہے، جبکہ خود یہودی فلسطین اور اسرائیل کے علاقوں میں آزادانہ نقل وحرکت کر سکتے ہیں!!

مسلمان نماز کے لیے مسجد اقصیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو یہودی ان کی جسمانی اور ذہنی اذیت کا باعث بنتے ہیں، بلکہ اب تو پینتالیس سال سے کم عمر کے لوگوں کو نماز کے لیے مسجد

اقصیٰ میں داخل ہونے کی اجازت ہی نہیں ہے۔

ناپاک یہودی' عالمی مالیاتی اداروں کے تعاون سے بیت المقدس کی انتہائی مہنگی زمینیں خرید کر مسجد اقصیٰ کے اردگرد یہودی بستیاں تعمیر کر رہے ہیں ، اور دنیا بھر کی یہودی برادری کو پیغام دے رہے ہیں کہ اسرائیل کی طرف ہجرت کریں، تمہارے لیے تعمیر شدہ مکانات کے علاوہ بہت ساری پر کشش سہولتیں بھی موجود ہیں ...... اب بیت المقدس میں چار لاکھ بیس ہزار یہودی اور ایک لاکھ ستر ہزار مسلمان آباد ہیں ، حالانکہ ۱۹۶۷ء میں بیت المقدس کے رہائشیوں کی تعداد اس کے برعکس تھی۔

حصہ سوم

فتح بیت المقدس

- یوشع بن نون علیہ السلام اور فتحِ بیت المقدس
- فتحِ بیت المقدس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت
- حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور فتحِ بیت المقدس
- صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ اور فتحِ بیت المقدس

یوشع بن نون علیہ السلام اور فتح بیت المقدس

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنو اسرائیل جب فرعونِ مصر اور اس کی افواج سے نجات پا کر فلسطین کی طرف جا رہے تھے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنو اسرائیل سے کہا تھا:

﴿ يَٰقَوْمِ ٱدْخُلُوا۟ ٱلْأَرْضَ ٱلْمُقَدَّسَةَ ٱلَّتِى كَتَبَ ٱللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا۟ عَلَىٰٓ أَدْبَارِكُمْ فَتَنقَلِبُوا۟ خَٰسِرِينَ ﴿٢١﴾ ﴾ (المائدۃ۵/ ۲۱)

''اے میری قوم! اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جسے اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے، اور پیٹھ پھیر کر نہ لوٹ آؤ ورنہ گھاٹے کے ساتھ پلٹو گے۔''

اس وقت فلسطین اور بیت المقدس پر عمالقہ حکمرانی کرتے تھے جو کہ ایک زبردست قوم تھے، لہٰذا اس مقدس سرزمین میں داخلے کے لیے ان کے خلاف جہاد کرنا ضروری تھا، لیکن بنو اسرائیل اس پر آمادہ نہ ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: تم اور تمھارا پروردگار دونوں جا کر ان سے لڑائی کرلو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اب یہ پاک سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے، چنانچہ وہ پیغمبر کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے چالیس سال تک وہیں سرگرداں رہے اور بیت المقدس میں داخل نہ ہو سکے۔ اس دوران ان کی نافرمانی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انھیں متعدد انعامات سے نوازا، مثلاً بادلوں کا سایہ، من وسلویٰ کا نزول، پتھر سے بارہ چشموں کا اجرا وغیرہ۔ اسی اثنا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام وفات پا گئے، اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کو ان کی طرف نبی بنا کر بھیج دیا، چنانچہ وہ بنو اسرائیل کو لیکر عازمِ فلسطین ہوئے، عمالقہ کی بہادر فوج کے خلاف انھوں نے جہاد کیا اور بالآخر بیت المقدس کو فتح کرلیا۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّمْسَ لَمْ تُحْبَسْ عَلٰى بَشَرٍ إِلاَّ لِيُوشَعَ لَيَالِيَ سَارَ إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ»

''سورج کو کسی انسان کے لیے روکا نہیں گیا سوائے حضرت یوشع علیہ السلام کے، جب وہ بیت المقدس کی طرف جارہے تھے۔''

ایک دوسری روایت میں قدرے تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کا یوں ذکر کیا گیا ہے:

''انبیاء میں سے ایک نبی نے اپنی قوم سے کہا: میری فوج میں کوئی ایسا شخص نہ ہو جس نے نئی نئی شادی کی ہو اور ابھی اپنی بیوی کے قریب نہ گیا ہو، اور ایسا شخص بھی نہ ہو جو اپنا گھر تعمیر کر رہا ہو اور ابھی چھت نہ بنائی ہو، اور ایسا شخص بھی نہ ہو جس نے بکریاں خریدی ہوں اور ان کے بچے جنم دینے کا انتظار کر رہا ہو، چنانچہ وہ اپنی فوج کو لیکر آگے بڑھے اور جہاد کرتے کرتے نمازِ عصر کے قریب بیت المقدس کے پاس پہنچ گئے۔ اب سورج غروب ہونے والا تھا، لہٰذا انھوں نے سورج کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّكِ مَأْمُورَةٌ وَأَنَا مَأْمُورٌ، اَللّٰهُمَّ احْبِسْهَا عَلَيْنَا»(صحيح البخاري، فرض الخمس، باب قول النبي ﷺ أحلت لكم الغنائم، ح: ٣١٢٤ وصحيح مسلم، الجهاد، باب تحليل الغنائم لهذه الأمة خاصة، ح: ١٧٤٧ ومسند أحمد: ٢/ ٣٢٥ ومنهاج السنة: ٤/ ١٨٧ والبداية والنهاية: ١/ ٣٢٣)

''تو بھی اللہ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی اللہ ہی کے حکم کا پابند ہوں۔ اے اللہ! اسے غروب ہونے سے روک دے۔''

چنانچہ اللہ نے سورج کو روک دیا اور یوشع بن نون علیہ السلام کو بیت المقدس کی فتح نصیب فرمائی۔

فتح بیت المقدس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت: حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں جنگ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے ایک خیمے میں تشریف فرما تھے، تب آپ نے فرمایا: قیامت کی چھ علامات یاد کرلو: میری

موت، پھر فتحِ بیت المقدس، پھر بہت زیادہ اموات کا واقع ہونا جیسا کہ گردن توڑ بیماری پھیلنے کی وجہ سے بکریوں میں بہت زیادہ اموات واقع ہوتی ہیں، پھر مال کی فراوانی حتی کہ ایک شخص کو اگر ایک سو دینار بھی دیے جائیں گے تو بھی وہ ناراض رہے گا، پھر ایسا فتنہ برپا ہوگا کہ کسی عربی کا گھر اس سے محفوظ نہیں رہے گا، پھر تمھارے اور رومیوں کے درمیان صلح ہو جائے گی لیکن وہ غداری کریں گے اور ۸۰ جھنڈوں کے نیچے جمع ہو کر تم سے جنگ کرنے آئیں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوجی ہوں گے۔'' (بخاری، کتاب الجزیة والموادعة، باب اثم من عاهد ثم غدر، ح: ۳۱۷۸، ابن ماجه، کتاب الفتن، باب اشراط الساعة، ح: ۴۰۴۲، الحاکم، ۴/ ۴۱۹، کتاب الفتن، ح: ۸۲۹۵)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور فتح بیت المقدس: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا بشارت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں اس وقت پوری ہوئی جب آپ رضی اللہ عنہ نے شام کو فتح کرنے والی فوج کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو اپنی فوج سمیت بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا، چنانچہ انھوں نے خلیفۃ المسلمین کے حکم پر لبیک کہا اور پانچ ہزار فوجیوں کے ہمراہ بیت المقدس کو روانہ ہو گئے جو اس وقت ایلیا کہلاتا تھا۔ جب آپ رضی اللہ عنہ اردن پہنچے تو آپ نے اپنے چند نمایندوں کے ہاتھ ''اہلِ ایلیا'' کے نام ایک خط روانہ کیا جس کا متن یوں تھا:

''ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایلیا کے پادریوں اور رہائشیوں کے نام!

سلامتی ہے ہر ایسے شخص پر جس نے سیدھا راستہ اختیار کیا، اللہ پر ایمان لایا اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسالت کو تسلیم کیا۔

اما بعد! ہم تمھیں دعوت دیتے ہیں کہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کی گواہی دو، اور تمھیں خبردار کرتے ہیں کہ قیامت بلا شک آنے والی ہے، اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کو قبر سے اٹھانے والا ہے، اگر تم ان باتوں کی گواہی دیتے ہو تو ہم پر تمھارا خون، مال اور تمھاری اولاد

حرام ہو جائے گی، اور تم ہمارے بھائی ہو گے، اور اگر تم نے ان باتوں سے انکار کر دیا تو تمھیں ذلیل ہو کر ہم کو جزیہ ادا کرنا ہوگا، اور اگر تم نے اس سے بھی انکار کر دیا تو یاد رکھو! میں تمھارے پاس ایسی فوج لے کر آیا ہوں کہ اسے موت اتنی ہی محبوب ہے جتنا تمھیں شراب نوشی کرنا اور خنزیر کا گوشت کھانا محبوب ہے، اور یہ بھی یاد رکھو کہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس وقت تک نہیں پلٹوں گا جب تک تمھاری فوج کو قتل نہ کر دوں اور تمھاری اولاد کو قیدی نہ بنا لوں۔'' (اتحاف الأخصا بفضائل المسجد الأقصی للسیوطی ۱/۲۲۷ اور الأنس الجلیل بتاریخ القدس والخلیل لمجیر الدین الحنبلی ۱/۳۷۰)

اس خط میں مذکورہ پہلی دونوں باتوں سے اہلِ ایلیا نے انکار کر دیا، جس پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو بیت المقدس کا محاصرہ کرنے کا حکم دے دیا۔ تقریباً چالیس دنوں تک محاصرہ جاری رہا، بالآخر اہلِ ایلیا اس شرط پر صلح کرنے کے لیے تیار ہو گئے کہ مسلمانوں کے خلیفہ خود بیت المقدس آئیں اور صلح نامے پر دستخط کریں۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک خط لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خط پڑھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بیت المقدس روانہ ہو گئے۔

مستدرک حاکم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب بیت المقدس کو جا رہے تھے تو اس کے قریب ایک گھاٹ آ گیا جسے عبور کرنا ضروری تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی اونٹنی سے نیچے اترے، اپنے موزوں کو اتار کر کندھوں پر رکھ لیا، اونٹنی کی نکیل پکڑی اور گھاٹ کو عبور کر گئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے: اے امیر المؤمنین! آپ اس حالت میں گھاٹ عبور کرتے ہیں! اگر ایلیا والے آپ کی اس حالت کو دیکھ لیتے ہیں تو مجھے اس سے خوشی نہیں ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کاش یہ بات تیرے علاوہ کوئی اور کہتا۔ یاد رکھو! ہم ایک

انتہائی ذلیل قوم تھے، اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت بخشی، اور اگر ہم اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے طریقے سے عزت حاصل کرنا چاہیں گے تو اللہ ہمیں ذلیل کر کے چھوڑے گا''۔(مستدرك حاكم: ١/٦١، ٦٢، الصحيحة: ٥١)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیت المقدس پہنچے اور ایک صلح نامے پر دستخط کر دیے، جس کی رو سے اہلِ ایلیا پر لازم تھا کہ وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں، اور انھیں جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس کے بدلے میں مسلمانوں پر لازم تھا کہ وہ اہلِ ایلیا کی جان، عزت اور ان کے مال و دولت کی حفاظت کریں گے، اور اہلِ ایلیا کو آزادی حاصل ہوگی کہ وہ چاہیں تو مسلمان ہو جائیں اور چاہیں تو اپنے دین پر قائم رہیں۔ اس معاہدے کی دیگر شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ بیت المقدس میں نصرانیوں کے ساتھ کوئی یہودی رہائش نہیں رکھے گا۔

اس معاہدے کے گواہ درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے: خالد بن الولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم

یوں بیت المقدس کی فتح کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت پوری ہوئی اور مسجد اقصیٰ مسلمانوں کو واپس مل گئی۔

صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ اور فتح بیت المقدس: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے بعد جہادِ اسلامی کی تاریخ میں صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے ایک سنہرا باب رقم کیا، شجاعت اور بہادری کی ایک ایسی مثال قائم کی کہ تاریخ دانوں نے جب بھی جہاد کا ذکر کیا صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کا نام مجاہدین کی فہرست میں چمکتا ہوا نظر آیا۔ ایوبی کو جہاد سے گہری محبت تھی، اسی لیے ان کی بیشتر زندگی گھوڑوں کی پیٹھوں پر اور خیموں کے اندر گزر گئی، ان کے چہرے پر ہر وقت حزن وملال کے آثار نمایاں ہوتے تھے، کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے:

«كَيْفَ يَطِيبُ لِيَ الْفَرْحُ وَالطَّعَامُ وَلَذَّةُ الْمَنَامِ، وَبَيْتُ الْمَقْدِسِ بِأَيْدِي الصَّلِيبِيِّينَ؟»

"مجھے کیونکر خوشی ہو اور کیونکر کھانا اچھا لگے اور کیونکر سونے کی لذت آئے جبکہ بیت المقدس صلیبیوں کے قبضے میں ہے؟"

بیت المقدس پر نصرانیوں کے قبضے کا عرصہ جیسے جیسے لمبا ہوتا جا رہا تھا' ویسے ویسے صلاح الدین ایوبی کی پریشانی اور بے تابی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مسلمانوں کو جہاد کی طرف ترغیب دلاتے اور اسلام کا واسطہ دے کر انھیں اس کے لیے ابھارتے۔ ان کی حالت اس ماں کی سی تھی جس سے اس کا نونہال بچہ چھین لیا گیا ہو اور وہ اس کی رہائی کے لیے دہائی دے رہی ہو۔ بالآخر ان کی کوششیں بارآور ثابت ہوئیں اور ایک فوج بیت المقدس کی آزادی کے لیے مر مٹنے کو تیار ہوگئی۔ وہ پندرہ رجب ۵۸۳ھ/ ۱۱۸۷ء کا دن تھا جب اسلامی فوج بیت المقدس کے مغرب میں اتری۔ نصرانیوں نے بیت المقدس کے چاروں طرف مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جنھیں فتح کر کے بیت المقدس کے اندر داخل ہونا آسان نہ تھا۔ صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی فوجوں نے چاروں طرف سے بھرپور حملہ کیا، نصرانیوں نے سخت مقابلہ کیا۔ حصار اور قتال کے دوران بہت سارے مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ ایوبی نے شہر کی شمال مشرقی دیوار میں نقب لگائی اور پھر اسے جلا ڈالا۔ اِس طرف سے نصرانیوں کو شکست ہوئی تو باقی فوج کے حوصلے بھی پست ہو گئے، چنانچہ ان کے قائد نے صلح کے لیے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ایوبی رحمہ اللہ نے صلح کی پیش کش قبول کر لی بشرطیکہ نصرانی ہر بالغ مرد کی طرف سے دس دینار، ہر نابالغ بچے کی طرف سے دو دینار اور ہر عورت کی طرف سے پانچ دینار مسلمانوں کو ادا کریں، اور جو بھی اس شرط کو پورا کرنے سے عاجز ہوگا وہ قیدی شمار ہوگا۔ یوں سولہ ہزار نصرانی قیدی بنا لیے گئے اور باقیوں کو فدیے کی ادائیگی کے بعد چھوڑ دیا گیا۔

صلاح الدین ایوبی مورخہ ۲۷ رجب ۵۸۳ھ بروز جمعہ بیت المقدس میں داخل ہوئے، مسجد اقصیٰ نصرانیوں کی غلاظت سے پاک کی، صلیب توڑ ڈالی، اور اسکے میناروں سے "اللــه

أکبر اللہ أکبر" کی صدا گونجنے لگی۔

ایک یادگار خطبہ: صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے ہاتھوں بیت المقدس کی آزادی کے ٹھیک ایک ہفتہ بعد یعنی ۴ شعبان ۵۸۳ھ بروز جمعہ کو مسجد اقصیٰ میں القاضی محمد بن ابی الحسن نے ایک یادگار خطبہ دیا، جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

"اے لوگو! اللہ کی رضا پر خوش ہو جاؤ، کیونکہ وہی ہے جس نے اِس گم شدہ قیمتی متاع کی واپسی آسان فرمائی، اور تقریباً سو سال کے بعد اسے مشرکوں سے چھین کر تمھاری طرف لوٹا دیا، اور وہی ہے جس نے اس گھر کو شرک کی نجاست سے پاک کیا، اور ہمیں اس میں علمِ توحید بلند کرنے کی توفیق دی۔ اس مسجد کی بنیادیں توحید وتقویٰ پر قائم ہیں۔ یہ تمھارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن ہے، اور یہیں سے تمھارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے لیے لے جایا گیا۔ یہی تمھارا پہلا قبلہ ہے، یہاں آکر انبیاء علیہم السلام ٹھہرے اور اولیاء رحمہم اللہ نے اس کا قصد کیا۔ یہاں متعدد رسول دفن ہوئے، یہاں اللہ کی وحی اتری۔ یہ سرزمینِ محشر ہے، اور یہیں سے لوگ حساب وکتاب کے لیے منتشر ہونگے۔ یہ گھر اس مقدس سرزمین پر واقع ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی کے بعد یہی وہ تیسری مسجد ہے جس کی طرف شدِّ رحال (باقاعدہ ثواب کی نیت سے سفر) کرنا مشروع ہے۔

تمھیں مبارک ہو کہ تم نے قادسیہ، یرموک اور خیبر کی یادیں تازہ کر دیں...... اس عظیم نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرو، کیا یہ وہی گھر نہیں جس کی تمام رسولوں نے تعریف کی، اور اس میں چاروں آسمانی کتابوں کی تلاوت کی گئی؟ کیا یہ وہی گھر نہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یوشع بن نون علیہ السلام کے لیے سورج کو غروب ہونے سے روک دیا؟ کیا یہی وہ گھر نہیں جسے آزاد کرانے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو جہاد کرنے کا حکم دیا؟ چنانچہ پوری قوم میں سے صرف دو آدمیوں نے ان کی بات کو قبول کیا اور باقیوں نے انکار کر دیا، پھر کیا اللہ تعالیٰ ان

پر ناراض نہیں ہوا؟ اور چالیس سال تک انھیں میدانِ تیہ میں سرگرداں نہیں رکھا؟

سو تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھیں کوئی سزا نہیں دی اور تمھیں اکٹھے ہو کر جہاد کرنے اور اس گھر کو آزاد کرانے کی توفیق دی، تمھیں ایک بار پھر مبارک ہو کہ اللہ نے تمھیں اس گھر میں علمِ توحید لہرانے اور عقیدۂ تثلیث روند ڈالنے کی ہمت دی۔ اب اللہ تم پر راضی ہے، اور فرشتے تمھاری مغفرت کے لیے دعا گو ہیں، اب اس فتحِ مبین کے بعد تم اللہ سے ڈرو، اور اس کی نافرمانی نہ کرو، اور جہاد جاری رکھو، کیونکہ یہ سب سے افضل عبادت ہے۔ تم اللہ کے دین کی مدد کرو اللہ تمھاری مدد کرے گا۔ تم دین الٰہی کی حفاظت کرو اللہ تمھاری حفاظت کرے گا، تم اللہ کا شکر ادا کرو اللہ تمھیں اور زیادہ عطا کرے گا۔ تم زمین پر پھیل جاؤ اور اسے نجاستِ کفر و شرک سے پاک کر دو، کفر کی جڑیں اکھاڑ دو، اور اس کی شاخیں توڑ ڈالو۔ اب اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو غالب اور کفر کو ذلیل و خوار کر دیا ہے۔ اب وقت ہے کہ پر عزم ہو کر نکل کھڑے ہو اور اللہ اکبر کی صدا بلند کرو۔'' مَثِيْرُ الْغَرَامِ إِلَى زِيَارَةِ الْقُدْسِ وَالشَّامِ

حصہ چہارم

یہود اور بیت المقدس

- یہود کے بعض برے اوصاف قرآن میں
- قومِ یہود پر اللہ کا عذاب
- یہود مسلمانوں کے بدترین دشمن
- یہود اسلام کے اوائل میں
- فلسطین اور یہود
- بیت المقدس، مسجد اقصیٰ اور یہود
- مسجد اقصیٰ گرانے کی یہودی کوششیں
- چند شبہات اور ان کے جوابات
- بیت المقدس کیسے آزاد ہوگا؟

یہود کے بعض برے اوصاف قرآن میں

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے قومِ یہود کے بہت سے برے اوصاف ذکر کیے ہیں، یہاں ان میں سے چند ایک قرآنی آیات سمیت بیان کیے جا رہے ہیں:

○ **اللہ کی بے ادبی اور اس کے متعلق توہین آمیز کلمات:** فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ لَّقَدْ سَمِعَ ٱللَّهُ قَوْلَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ ٱللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَآءُ ﴾
(آل عمران۳/ ۱۸۱)

''یقیناً تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات بھی سن لی ہے جن کا کہنا ہے کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار''۔

اور فرمایا:

﴿ وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ يَدُ ٱللَّهِ مَغْلُولَةٌ ﴾ (المائدۃ۵/ ٦٤)

''اور یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں'' (یعنی اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بخیل ہے۔)

○ **حضرت محمد ﷺ کی بے ادبی اور ان کے متعلق توہین آمیز کلمات:** فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ مِّنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِۦ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَٱسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَٰعِنَا لَيًّۢا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى ٱلدِّينِ ﴾ (النساء٤/ ٤٦)

''بعض یہودی کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ادل بدل کر دیتے ہیں، اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی، اور سن اس کے بغیر کہ تجھے سنا جائے، اور ہماری رعایت کر، (لیکن اپنی ان باتوں میں) وہ اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعن اندازی کرتے ہیں۔''

یعنی ایک تو وہ یہ کہتے تھے کہ ''ہم نے سن لیا'' لیکن اس کے ساتھ ہی جسارت کرتے

ہوئے یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ ''ہم نافرمانی کریں گے۔'' دوسرا وہ یہ کہتے تھے کہ ''تو ہماری بات سن'' اور اس کے ساتھ ہی بددعا کے طور پر یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ ''تیری بات نہ سنی جائے'' یعنی تیری بات مقبول نہ ہو۔ تیسرا لفظ وہ ''راعنا'' کہتے تھے، جس کا ظاہری مفہوم تو یہ تھا کہ آپ ذرا ہماری رعایت کریں، لیکن یہ لفظ بولتے ہوئے وہ اپنی زبانوں کو موڑ لیتے تھے اور یہ لفظ ''راعینا'' ہو جاتا، جس کا معنی ہے ''ہمارا چرواہا۔'' تو ان الفاظ میں یقینی طور پر آپ ﷺ کی گستاخی اور توہین کا پہلو موجود تھا۔

○ **اللہ کی آیات سے کفر اور انبیاء علیہم السلام کا قتل:** فرمان الٰہی ہے:

﴿ فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾
(النساء ٤/ ١٥٥)

''(یہ سزا تھی) بسبب ان کی عہد شکنی کے، اور اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنے کے، اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے''۔

○ **الٰہی فیصلہ سے اعراض:** فرمان الٰہی ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُم مُّعْرِضُونَ ﴿٢٣﴾ ﴾ (آل عمران ٣/ ٢٣)

''کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں ایک حصہ کتاب کا دیا گیا ہے! انھیں اپنے آپس کے فیصلوں کے لئے کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے، پھر بھی ان کی ایک جماعت منہ پھیر کر اعراض کر لیتی ہے۔''

○ **عہد شکنی:** فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنكُمْ وَأَنتُم

مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾ (البقرة۲/ ۸۳)

''اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اسی طرح رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی، اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا، نمازیں قائم رکھنا اور زکاۃ دیتے رہنا، لیکن تھوڑے سے لوگوں کے علاوہ تم سب پھر گئے اور منہ موڑ لیا''۔

اور فرمایا:

﴿أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُم ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٠﴾﴾ (البقرة۲/ ۱۰۰)

''یہ لوگ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ان کی ایک نہ ایک جماعت اسے توڑ دیتی ہے، بلکہ ان میں سے اکثر ایمان سے خالی ہیں''۔

اور فرمایا:

﴿الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾﴾ (الأنفال۸/ ۵۶)

''جن سے آپ نے عہد و پیمان کر لیا، پھر بھی وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے''۔

○ کلام اللہ میں تحریف: فرمانِ الٰہی ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾﴾ (البقرة۲/ ۷۹)

''ان لوگوں کے لیے ''ویل'' (جہنم کی ایک وادی) ہے جو اپنے ہاتھوں کتاب لکھتے ہیں، پھر کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ وہ اس کے ذریعے دنیا کما لیں، تو ان کے لیے ہلاکت ہے بہ سبب ان کے ہاتھوں کی لکھائی (تحریف) کے، اور ان کے لیے

ہلاکت ہے بہ سبب ان کے گناہوں کے‘‘۔

اور فرمایا:

﴿ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُۥنَ أَلْسِنَتَهُم بِٱلْكِتَٰبِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ ٱلْكِتَٰبِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ ٱللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾ ﴾ (آل عمران ۳/ ۷۸)

’’یقیناً ان میں ایسا گروہ بھی ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو بل دیتا ہے تاکہ تم اسے کتاب ہی کی عبارت خیال کرو حالانکہ دراصل وہ کتاب میں سے نہیں، اور یہ کہتے بھی ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں، وہ تو دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں‘‘۔

○ معاندانہ رویہ: فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَإِذْ قُلْتُمْ يَٰمُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى ٱللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ ٱلصَّٰعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۵۵)

’’اور تم وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے کہا تھا اے موسیٰ! جب تک ہم اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں، ہرگز ایمان نہ لائیں گے، (اس پر) تمھارے اوپر بجلی گری حالانکہ تم دیکھ رہے تھے‘‘۔

○ تکبر: فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُولٌۢ بِمَا لَا تَهْوَىٰٓ أَنفُسُكُمُ ٱسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾ ﴾ (البقرۃ ۲/ ۸۷)

’’جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمھاری طبیعتوں کے خلاف تھی، تم نے جھٹ سے تکبر کیا، پس بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل کر ڈالا‘‘۔

○ حسد: فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِكُمْ

كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ ٱلْحَقُّ ﴾

(البقرة٢/ ١٠٩)

''ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے محض حسد وبغض کی بنا پر تمھیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔''

○ حق وباطل کو باہم خلط ملط کرنا اور حق چھپانا: فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلَا تَلْبِسُوا۟ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَٰطِلِ وَتَكْتُمُوا۟ ٱلْحَقَّ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٤٢)

''اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور نہ حق کو چھپاؤ، تمھیں تو خود اس کا علم ہے''۔

○ دھوکہ دہی: فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَقَالَت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ ءَامِنُوا۟ بِٱلَّذِىٓ أُنزِلَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَجْهَ ٱلنَّهَارِ وَٱكْفُرُوٓا۟ ءَاخِرَهُۥ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٧٢﴾ وَلَا تُؤْمِنُوٓا۟ إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ ﴾ (آل عمران٣/ ٧٢_٧٣)

''اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ مومنوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تم ایمان لاؤ، اور شام کے وقت کافر بن جاؤ تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں، اور سوائے ان کے جو تمھارے دین پر چلنے والے ہیں، کسی اور پر یقین نہ کرو''۔

○ اوہام وخرافات اور طاغوت پر ایمان: فرمان الٰہی ہے:

﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ أُوتُوا۟ نَصِيبًا مِّنَ ٱلْكِتَٰبِ يُؤْمِنُونَ بِٱلْجِبْتِ وَٱلطَّٰغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا۟ هَٰٓؤُلَآءِ أَهْدَىٰ مِنَ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ سَبِيلًا ﴿٥١﴾ ﴾ (النساء٤/ ٥١)

''کیا آپ نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے! (اور ان کا حال یہ ہے) کہ بت (یا اوہام وخرافات) اور طاغوت (معبودانِ باطلہ) کو مانتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں سے زیادہ راہِ راست پر ہیں۔''

○ ظلم کرنا، سودی لین دین کرنا اور لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھانا : فرمان الٰہی ہے:

﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ كَثِيرًا ﴿١٦٠﴾ وَأَخْذِهِمُ ٱلرِّبَوٰا۟ وَقَدْ نُهُوا۟ عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَٰلَ ٱلنَّاسِ بِٱلْبَٰطِلِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٦١﴾ ﴾ (النساء٤/ ١٦٠۔١٦١)

”غرض ان یہودیوں کے اسی ظالمانہ رویہ کی بنا پر، اور اس بنا پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، اور سود لیتے ہیں جس سے انھیں منع کیا گیا تھا، اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے کھاتے ہیں، ہم نے بہت سی وہ پاک چیزیں ان پر حرام کر دیں جو پہلے ان کے لیے حلال تھیں، اور جو لوگ ان میں کافر ہیں ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

○ برائی سے منع نہ کرنا : فرمان الٰہی ہے:

﴿ لُعِنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنۢ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَلَىٰ لِسَانِ دَاوُۥدَ وَعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا۟ وَّكَانُوا۟ يَعْتَدُونَ ﴿٧٨﴾ كَانُوا۟ لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَفْعَلُونَ ﴿٧٩﴾ ﴾

(المائدۃ٥/ ٧٨۔٧٩)

”بنو اسرائیل میں سے جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان پر داؤد اور عیسٰی بن مریم (علیہم السلام) کی زبان سے لعنت کی گئی کیونکہ وہ سرکش ہو گئے تھے اور زیادتیاں کرنے لگے تھے، انھوں نے ایک دوسرے کو برے کاموں کے ارتکاب سے روکنا چھوڑ دیا تھا، یہ برا طرزِ عمل تھا جو انھوں نے اختیار کیا“۔

○ کافروں سے دوستی : فرمان الٰہی ہے:

﴿ تَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ ۚ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن سَخِطَ ٱللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِى ٱلْعَذَابِ هُمْ خَٰلِدُونَ ﴿٨٠﴾ ﴾

(المائدۃ٥/ ٨٠)

''ان میں سے بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں، جو کچھ انھوں نے اپنے لئے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے، اللہ ان پر غضبناک ہو گیا ہے اور وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہونے والے ہیں''۔

○ منافقت : فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَإِذَا لَقُواْ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ قَالُوٓاْ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعۡضُهُمۡ إِلَىٰ بَعۡضٖ قَالُوٓاْ أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ ٱللَّهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوكُم بِهِۦ عِندَ رَبِّكُمۡۚ أَفَلَا تَعۡقِلُونَ ﴿٧٦﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۷٦)

''اور جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی ایمان لائے ہیں، اور جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں مسلمانوں کو کیوں وہ باتیں پہنچاتے ہو جو اللہ نے تمھیں سکھائی ہیں، کیا جانتے نہیں کہ یہ تمھارے رب کے پاس تمھارے مقابلے میں انھیں حجت میں پیش کریں گے''۔

○ حرام خوری : فرمان الٰہی ہے:

﴿ سَمَّٰعُونَ لِلۡكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحۡتِۚ ﴾ (المائدة٥/ ٤٢)

''یہ کان لگا لگا کر جھوٹ سننے والے اور جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں''۔

○ جنگ کی آگ بھڑکانا اور فساد پھیلانا : فرمان الٰہی ہے:

﴿ كُلَّمَآ أَوۡقَدُواْ نَارٗا لِّلۡحَرۡبِ أَطۡفَأَهَا ٱللَّهُۚ وَيَسۡعَوۡنَ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَسَادٗاۚ وَٱللَّهُ لَا يُحِبُّ ٱلۡمُفۡسِدِينَ ﴿٦٤﴾ ﴾ (المائدة٥/ ٦٤)

''جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اس کو ٹھنڈی کر دیتا ہے، یہ زمین میں فساد پھیلانے کی سعی کرتے ہیں مگر اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

○ دین کا مذاق اڑانا : فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَّخِذُواْ ٱلَّذِينَ ٱتَّخَذُواْ دِينَكُمۡ هُزُوٗا وَلَعِبٗا مِّنَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ

ٱلْكِتَٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَٱلْكُفَّارَ أَوْلِيَآءَ ۚ وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾ وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ ٱتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ۚ﴾ (المائدة٥/ ٥٧-٥٨)

''اے ایمان والو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمھارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں، (خواہ) وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا کفار ہوں، اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، اور جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں''۔

○ **یہودیوں کی مثال گدھے کی سی ہے :** فرمان الٰہی ہے:

﴿ مَثَلُ ٱلَّذِينَ حُمِّلُوا۟ ٱلتَّوْرَىٰةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ ٱلْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًۢا ۚ بِئْسَ مَثَلُ ٱلْقَوْمِ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ ۚ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٥﴾﴾ (الجمعة٦٢/ ٥)

''جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا، پھر انھوں نے اس پر عمل نہیں کیا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہوں، اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا''۔

قومِ یہود پر اللہ کا عذاب

قومِ یہود کے جو برے اوصاف درج بالا قرآنی آیات کی روشنی میں ذکر کیے گئے ہیں، انھی برے اوصاف کے بدلے میں اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب نازل ہوا، اور اسے قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

① **ذلت ومسکنت اور غضب الٰہی :** فرمان الٰہی ہے:

﴿ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ ٱلذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوٓا۟ إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ ٱلنَّاسِ وَبَآءُو بِغَضَبٍ مِّنَ ٱللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ ٱلْمَسْكَنَةُ ۚ﴾ (آل عمران٣/ ١١٢)

''ان پر ہر جگہ ذلت کی مار پڑی، الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں یا لوگوں کی پناہ میں ہوں، یہ غضب الٰہی کے مستحق ٹھہرے اور ان پر مسکنت مسلط کردی گئی''۔

نوٹ: اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہودی ذلت سے کس طرح بچ سکتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں، ایک یہ کہ یہودی اللہ کی پناہ میں آ جائیں، یعنی اسلام قبول کرلیں یا کوئی مسلمان ملک انھیں جزیہ کی ادائیگی کی شرط پر پناہ دے دے، دوسری یہ کہ یہ دوسرے لوگوں کی پناہ میں آ جائیں۔

اور امر واقع بھی یہی ہے کہ دنیا میں اگر قوم یہود کو کہیں تھوڑا بہت امن نصیب ہوا بھی ہے تو وہ دوسروں کی حمایت کا نتیجہ ہے، کہیں کسی اسلامی ملک نے انھیں امان دے دی اور کہیں کسی بڑی غیر مسلم طاقت کی حمایت سے انھیں عارضی طور پر امن نصیب ہوا جیسا کہ آج کل کے یہود کی حالت ہے۔

② **اللہ کی لعنت:** فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَقَالُوا۟ قُلُوبُنَا غُلْفٌۢ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ ٱللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾ ﴾
(البقرۃ ۲/ ۸۸)

''یہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر غلاف چڑھا ہوا ہے، (نہیں یہ بات نہیں ہے) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ کی پھٹکار پڑی ہے، اسلئے ان میں کم ہی ایمان لاتے ہیں''۔

③ **قیامت تک اللہ کی پکڑ:** فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَـٰمَةِ مَن يَسُومُهُمْ سُوٓءَ ٱلْعَذَابِ ۗ ﴾ (الأعراف ۷/ ۱٦۷)

''اور یاد کرو جب کہ تمھارے رب نے اعلان کردیا کہ قیامت تک برابر ایسے لوگ بنو اسرائیل پر مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب دیں گے''۔

④ **دنیا میں ذلت ورسوائی اور آخرت میں عذاب عظیم:** فرمان الٰہی ہے

﴿ أُو۟لَـٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمْ يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْـَٔاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ ﴾ (المائدۃ ۵/ ٤۱)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہ چاہا، ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں سخت سزا''۔

⑤ دل پتھر بنا دیے : فرمان الٰہی ہے:

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَٱلْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ (البقرة ٢/ ٧٤)

''(مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی) آخر کار تمھارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح سخت، بلکہ سختی میں ان سے بھی بڑھے ہوئے''۔

⑥ دلوں پر مہر ثبت کر دی : فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌۢ ۚ بَلْ طَبَعَ ٱللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾ ﴾ (النساء ٢/ ١٥٥)

''اور یہاں تک کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں محفوظ ہیں، حالانکہ درحقیقت ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیا ہے، اور اسی وجہ سے یہ بہت کم ایمان لاتے ہیں''۔

⑦ باہمی عداوت : فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ ٱلْعَدَٰوَةَ وَٱلْبَغْضَآءَ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ ۚ ﴾ (المائدة ٥/ ٦٤)

''ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لیے دشمنی اور عداوت ڈال دی ہے''۔

قومِ یہود مسلمانوں کی بدترین دشمن

یہودی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں، اس بارے میں چند قرآنی آیات اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

﴿ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ ٱلنَّاسِ عَدَٰوَةً لِّلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلَّذِينَ أَشْرَكُوا۟ ۖ ﴾

(المائدۃ٥/ ٨٢)

''یقیناً آپ اہلِ ایمان کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکین کو پائیں گے''۔

﴿ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ﴾

(آل عمران٣/ ١١٨)

''ان کی دشمنی تو خود ان کی زبان سے ظاہر ہو چکی ہے، اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے''۔

﴿ لَا يَرْقُبُونَ فِى مُؤْمِنٍ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُعْتَدُونَ ﴿١٠﴾ ﴾

(التوبۃ٩/ ١٠)

''یہ تو کسی مسلمان کے حق میں کسی رشتہ داری اور عہد کا بالکل لحاظ نہیں کرتے اور زیادتی ہمیشہ انہی کی طرف سے ہوتی ہے''۔

یہود کو دوست مت بناؤ : اللہ رب العزت نے جہاں یہود کی مسلمانوں سے شدید دشمنی کو واضح کر دیا ہے وہاں مسلمانوں کو ان سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے سے بھی منع کر دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ ۞ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ ﴾ (المائدۃ٥/ ٥١)

''اے ایمان والو! تم یہود ونصاریٰ کو دوست مت بناؤ ، یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو بھی ان کو دوست بناتا ہے، اس کا شمار بھی یقیناً انہی میں ہے''۔

نیز فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا۟ مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ ٱلْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَٰهِهِمْ وَمَا تُخْفِى صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ ٱلْءَايَٰتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَٰٓأَنتُمْ أُو۟لَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِٱلْكِتَٰبِ كُلِّهِۦ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْا۟ عَضُّوا۟ عَلَيْكُمُ

ٱلْأَنَامِلَ مِنَ ٱلْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا۟ بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿١١٩﴾

(آل عمران۳/ ۱۱۸۔۱۱۹)

''اے ایمان والو! اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا اور کسی کو دلی دوست (اپنا راز دار) نہ بناؤ، وہ تمھاری تباہی کے کسی موقع سے فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتے، تمھیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے، ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے ظاہر ہو چکی ہے، اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے، ہم نے تمھیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں، اگر تم عقلمند ہو (تو ان سے تعلقات رکھنے میں احتیاط برتو)، تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ان سے محبت رکھتے ہو، مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، حالانکہ تم پوری کتاب کو مانتے ہو، (اور وہ نہیں مانتے، تو پھر محبت کیسی؟)، یہ تمھارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصے کے انگلیاں چباتے ہیں، کہہ دیجیے تم اپنے غصہ ہی میں مر جاؤ، اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں کو بخوبی جانتا ہے۔''

یہود کی خواہشات کی پیروی مت کرو : فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَـٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ ٱلَّذِى جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٢٠﴾ ﴾ (البقرۃ۲/ ۱۲۰)

''یہود و نصاریٰ آپ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک آپ ان کے مذہب کے تابع نہ بن جائیں، کہہ دیجیے راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتا دیا ہے، ورنہ اگر اس علم کے بعد' جو آپ کے پاس آ چکا ہے' آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار آپ کے لیے نہ ہوگا''۔

قومِ یہود اسلام کے اوائل میں : قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک

رسول اللہ ﷺ مبعوث نہیں ہوئے، یہودِ مدینہ آپ ﷺ اور آپ کی دعوت کے بارے میں تائیدی موقف رکھتے تھے، کیونکہ وہ تورات میں آپ ﷺ کی آمد اور بعثت کے متعلق پڑھ چکے تھے، بلکہ آپ ﷺ کی آمد سے پہلے دعا کیا کرتے تھے کہ نبی منتظر جلدی آئے اور کفار کا غلبہ ختم ہو (البقرۃ:۸۹/۲) لیکن جونہی نبی اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئے، یہود نے اپنا موقف تبدیل کرلیا، اور آپ ﷺ کی مخالفت شروع کردی، حالانکہ آپ ﷺ نے مدینہ میں آتے ہی ان سے ایک معاہدہ کیا، جس کی رو سے انھیں مسلمانوں کی طرف سے امن وسلامتی کی ضمانت کے علاوہ مذہبی، معاشی اور سیاسی آزادی فراہم کی گئی، بشرطیکہ وہ بھی مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچائیں، جاسوسی نہ کریں اور اگر مسلمانوں پر حملہ ہوتو وہ مسلمانوں کی مدد کریں اور غداری نہ کریں۔ (ابن ہشام:۲/۱۱۹'۱۲۳)

یہ معاہدہ بالکل واضح تھا، اور یہودیوں نے اس کی شرائط کو قبول کیا تھا، لیکن ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ یہودیوں نے اسے توڑ ڈالا اور طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی شروع کردی۔

یہودیوں نے ایک طرف دینِ اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پھیلانے شروع کردیے، حق وباطل کو خلط ملط کر کے حق کو چھپانے کی کوششیں کیں، اپنے ہاتھوں گھڑا ہوا مذہب دین اسلام سے بہتر تصور کرنے لگے، شعائرِ اسلام کا مذاق اڑایا، اللہ اور رسول ﷺ کے متعلق توہین آمیز کلمات کہے، اور دوسری طرف منافقوں اور مشرکوں سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے ان کے ساتھ ساز باز کی اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیار کرنے میں ان سے تعاون کیا، ان کی اس عہد شکنی اور مسلمانوں کے خلاف عملی دشمنی پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی مدنی حیات مبارکہ کے مختلف اوقات میں انھیں عبرتناک سزا دی، جس کی تفصیل (قدرے اختصار کے ساتھ) کچھ یوں ہے:

۱- <u>ابو عفک کا قتل:</u> یہ شخص یہودی شاعر تھا، اور اپنے شعروں میں لوگوں کو مسلمانوں کے

خلاف برانگیختہ کیا کرتا تھا، چنانچہ حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ نے' جو کہ بدری صحابی تھے' اسے قتل کرنے کا عہد کرلیا۔ اس کام کے لیے وہ مناسب موقع کی تلاش میں رہے، بالآخر ایک رات جب ابو عفک اپنے گھر کے صحن میں سو رہا تھا، حضرت سالم رضی اللہ عنہ اچانک اس کے سر پر جا کھڑے ہوئے، اپنی تلوار اس کے سینے پر رکھ دی اور وہیں اس کا خاتمہ کردیا، یوں مسلمانوں کو اس شریر کے شر سے نجات مل گئی۔ (طبقات ابن سعد ۲/۶۷)

۲۔ بنوقینقاع کی جلاوطنی: یہ واقعہ جنگ بدر کے ایک ماہ بعد پیش آیا، جس میں مسلمانوں کو کفارِ مکہ پر واضح فتح نصیب ہوئی تھی۔ یہودی مسلمانوں کی اس فتح پر خوش نہ تھے، بلکہ انھوں نے اس پر شدید غیظ وغضب کا اظہار کیا تھا، اور مسلمانوں سے کہا کرتے تھے: اگر ہمارا اور تمھارا آمنا سامنا ہوگیا تو ہم تمھیں بتا دیں گے کہ جنگ کس طرح کی جاتی ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے برے ارادے بھانپ کر ان کو ایک جگہ جمع کیا اور انھیں اپنے ارادوں پر عمل کرنے سے باز رہنے کی تلقین کی، لیکن انھوں نے دھمکی دینے کی جسارت کرتے ہوئے کہا تھا:

''آپ کو خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ اس قوم پر فتح یاب ہوگئے جسے جنگی چالوں کا علم ہی نہ تھا، اور اگر ہم سے آپ کی جنگ ہوئی تو آپ جان لیں گے کہ مرد کون ہوتے ہیں۔'' (عون المعبود: ۳/۱۱۵)

متعدد روایات میں قبیلۂ بنوقینقاع کی جلاوطنی کا سبب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ یہودی قبیلہ مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر تھا، اس کے لوگ یہودیوں میں سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور تھے، آلاتِ حرب خود بناتے تھے اور ان میں لڑائی کرنے والوں کی تعداد تقریباً سات سو افراد پر مشتمل تھی۔ ان لوگوں کا ایک خاص بازار لگتا تھا جس میں یہ تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک مسلمان عورت اپنا کچھ سامان بیچنے اس بازار میں جا نکلی، ایک یہودی شخص نے اس خاتون کی بے حرمتی کی، چنانچہ ایک مسلمان سے یہ واقعہ برداشت نہ ہوا اور اس نے اس یہودی کو قتل

کرڈالا، نتیجتاً وہ خود بھی یہودیوں کے ہاتھوں قتل ہوگیا۔ یوں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان شدید کشمکش پیدا ہوگئی۔ اس کشیدگی کا آغاز چونکہ یہودیوں نے کیا تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مسلمان فوج کے ہمراہ ان کے محلے کا گھیراؤ کرلیا، یہ محاصرہ پندرہ دن جاری رہا، بالآخر یہودی عاجز آگئے اور اپنے آپ کو اپنے مال ومتاع سمیت مسلمانوں کے حوالے کرنے پر رضامند ہوگئے، لیکن اس موقع پر منافقوں کے سردار اور بنو قینقاع کے حلیف عبداللہ بن ابی ابن سلول الخزرجی نے اپنے ان حلیفوں کے حق میں سفارش کی اور انھیں معاف کردینے پر شدید اصرار کیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے اس شرط پر قبول کرلیا کہ یہ مدینہ چھوڑ کر کہیں دور چلے جائیں، اور یوں یہودیوں کے اس قبیلے کو جلاوطن کردیا گیا۔ (ابن ہشام۲/۴۲۶ اور طبقات ابن سعد۳/۶۷)

۳- کعب بن اشرف کا قتل: یہ شخص بھی ایک یہودی شاعر تھا، اور اپنے شعروں میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہا کرتا تھا، نیز کافروں کو ان کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے آمادہ کیا کرتا تھا، میدانِ بدر میں مسلمانوں کو فتحِ مبین نصیب ہوئی تو یہ غصے سے بھر گیا، اور کہنے لگا:

«لَبَطْنُ الأَرْضِ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْ ظَهْرِهَا»

''یعنی آج زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہے۔''

پھر وہ مکہ مکرمہ پہنچا اور جو سردارانِ قریش جنگِ بدر میں مارے گئے تھے ان کے حق میں قصیدہ گوئی کی اور مرثیے پڑھے، اور قریش کو مسلمانوں سے ان کا انتقام لینے پر ابھارا، پھر مدینہ طیبہ واپس آیا تو مسلمان خواتین کے متعلق عشقیہ اشعار پڑھنے شروع کردیے، یوں یہ شخص مسلمانوں کے لیے شدید اذیت کا باعث بنا، اس سے تنگ آکر ایک دن رسول اللہ ﷺ نے کہا:

«مَنْ لِي بِابْنِ الأَشْرَفِ فَقَدْ آذَانِي؟»

''کون ہے جو ابن اشرف کو قتل کر دے؟ اس نے مجھے ایذا پہنچائی ہے۔''

تو حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں ہوں، اے اللہ کے رسول!'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس شخص کو قتل کر دینے کی اجازت دے دی۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے قتل کرنے کے لیے حیلہ اختیار کرنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت بھی دے دی، اور یوں محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ اس یہودی کا کام تمام کر دیا، جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ (تفصیلات کے لیے: ابن ہشام ۵۱/۲-۵۷' نیز صحیح البخاری ۳۴۱/۱' ۴۲۵ اور زاد المعاد ۹۱/۲)

٤ - بنو نضیر کی جلا وطنی: بنو قینقاع کی جلا وطنی اور سردارِ یہود کعب بن اشرف کے قتل کے بعد یہودِ مدینہ قدرے محتاط ہو گئے، اور مسلمانوں سے خوفزدہ رہنے لگے، لیکن جب جنگِ احد اور بئرِ معونہ کے واقعات پیش آئے جن میں بہت سارے مسلمان شہید ہو گئے تھے، تو یہودیوں کو حوصلہ ملا اور وہ ایک بار پھر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سرگرمِ عمل ہو گئے' حتی کہ ان کے اسلام دشمن جذبات نے انھیں یہاں تک پہنچا دیا کہ انھوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لیے ایک خطرناک سازش تیار کر لی۔ اس گھناؤنی سازش کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ ایک صحابی حضرت عمرو بن امیہ الضمری نے غلطی سے بنو کلاب کے دو افراد کو قتل کر ڈالا تھا، اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم تھا کہ ان دو افراد کی دیت ادا کریں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہی دو افراد کی دیت جمع کرنے کے سلسلے میں اپنے چند صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ بنو نضیر کے پاس بھی گئے، اور ان سے ادائیگیٔ دیت کے سلسلے میں مدد طلب کی۔

مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان طے شدہ معاہدے کے مطابق یہودیوں پر لازم تھا کہ وہ اس سلسلے میں مسلمانوں کی مدد کرتے، چنانچہ انھوں نے کہا: ٹھیک ہے، ہم مدد کے لیے تیار ہیں، اور جب تک ہم آپ کی ضرورت پوری کریں آپ یہاں بیٹھ کر انتظار کریں۔ رسول

اللہ ﷺ ایک دیوار کے سائے میں ان کے انتظار میں بیٹھ گئے ، اور یہودیوں نے آپس میں کہا: محمد (ﷺ) کو قتل کرنے کا اس سے بہتر موقع کبھی نہیں ملے گا ، لہٰذا کوئی شخص مکان کی چھت سے ان پر ایک بڑا پتھر گرا دے جس سے ان کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اِدھر انھوں نے یہ سازش تیار کی اور اُدھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ ﷺ کو اس کے متعلق خبردار کر دیا ، چنانچہ آپ ﷺ وہاں سے واپس روانہ ہو گئے اور جاتے ہی محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنو نضیر کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ دس دن کے اندر اندر مدینہ طیبہ چھوڑ کر چلے جاؤ ، ورنہ اس مدت کے گزرنے کے بعد تم میں سے جو بھی مدینہ میں نظر آئے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اب یہودی مدینہ کو چھوڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ منافقوں کے سردار عبد اللہ بن ابی نے انھیں سبق پڑھایا کہ تم یہیں رہو ، کوئی طاقت تمھیں یہاں سے نکال نہیں سکتی ، میرے پاس دو ہزار افراد تمھارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں ، نیز بنو قریظہ وغیرہ بھی یقیناً تمھاری مدد کریں گے۔

اس پر یہودیوں نے مدینہ کو چھوڑنے کا ارادہ ترک کر دیا ، بلکہ ان کے سردار حُیی بن اخطب نے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ پیغام بھی بھیج دیا کہ ہم مدینہ سے نہیں نکلیں گے ، آپ جو کرنا چاہتے ہیں کر گزریں!

چنانچہ آپ ﷺ اپنی فوج کے ہمراہ بنو نضیر کی طرف روانہ ہو گئے ، اور جا کر ان کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا ، دورانِ محاصرہ ان کے باغات کو جلا دیا گیا ، اور بنو قریظہ اور منافقوں نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ بالآخر وہ مدینہ چھوڑنے پر رضا مند ہو گئے ، آپ ﷺ نے انھیں اسلحہ چھوڑ کر باقی سب کچھ اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی ، یوں ان کی زمینیں ، ان کے مکانات اور اسلحہ کے ذخائر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔ (اس واقعہ کی دیگر تفاصیل سورۃ الحشر کی تفسیر اور ابن ہشام ۲/۱۹۰ اور زاد المعاد ۲/۷۱ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔)

۵ — بنو قریظہ کا عبرتناک انجام: بنو نضیر ، جنھیں رسول اللہ ﷺ نے اپنے قتل کی سازش تیار

کرنے کی پاداش میں مدینہ طیبہ سے جلاوطن کر دیا تھا' مدینہ سے نکل کر سکون سے نہیں بیٹھے بلکہ مسلمانوں کے خلاف مزید بھیانک سازشوں کی تیاری میں مصروفِ عمل ہو گئے۔ اسی سلسلے میں ان کا ایک وفد مکہ مکرمہ جا پہنچا جس نے کافروں کو مسلمانوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ لڑنے پر ابھارا اور انھیں قومِ یہود کی جانب سے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ چنانچہ کفارِ مکہ اس کے لیے تیار ہو گئے اور ایک طاقتور فوج لیکر عازمِ مدینہ ہوئے، پھر یہ وفد غطفان کے قبائل کو بھی مدینہ طیبہ پر چڑھائی کے لیے آمادہ کرنے میں کامیاب ہو گیا، یوں یہودیوں کی اس سازش کی بنا پر دس ہزار افراد پر مشتمل کافروں کا ایک لشکرِ جرار مدینہ کی سرحدوں پر پہنچ گیا۔

اِدھر رسول اللہ ﷺ دشمنوں کی چالوں سے غافل نہ تھے، چنانچہ آپ ﷺ کو جب کفار کی فوجوں کی آمد کا علم ہوا تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے آپ ﷺ نے مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودنے کا حکم دے دیا...... اس جنگ کی تمام تفاصیل ہمارا موضوع نہیں ہیں، یہاں صرف اتنا عرض کرنا مقصود ہے کہ یہودیوں کی سازشوں کی بنا پر مسلمانانِ مدینہ سنگین خطرات میں گھر گئے، اُس وقت مسلمانوں پر کیا بیت رہی تھی، قرآن مجید نے اسے یوں بیان کیا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾ إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ ٱلْأَبْصَٰرُ وَبَلَغَتِ ٱلْقُلُوبُ ٱلْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِٱللَّهِ ٱلظُّنُونَا۠ ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ٱبْتُلِىَ ٱلْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا۟ زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ ﴾ (الأحزاب ٣٣/ ٩۔١١)

''اے ایمان والو! اللہ تعالٰی نے تم پر جو احسان کیا اسے یاد کرو جبکہ لشکر تم پر چڑھ دوڑے، پھر ہم نے ان پر تند و تیز آندھی اور ایسے لشکر بھیجے جو تم کو نظر نہ آتے تھے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالٰی سب کچھ دیکھتا ہے۔ (یاد کرو جب) وہ اوپر اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، اور کلیجے منہ کو آ گئے، اور تم لوگ

اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔اس وقت مومنوں کو آزمایا گیا، اور وہ بری طرح جھنجھوڑے گئے''۔

اس مشکل ترین گھڑی میں قبیلۂ بنوقریظہ پر لازم تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ طے شدہ معاہدے کے مطابق ان کی مدد کرتے ،لیکن چونکہ یہود غداری، خیانت اور بدعہدی کے خوگر تھے اس لئے انھوں نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا اور کافروں کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو گئے...... اللہ رب العزت نے غزوۂ احزاب میں کافروں کی اس طاقتور فوج کو ذلت ورسوائی سے دوچار کیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی ،تو حضرت جبریل علیہ السلام اللہ کی طرف سے یہ حکم لے کر نازل ہوئے کہ بنوقریظہ کی طرف جائیں اور انھیں ان کی غداری پر سبق سکھائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کے ہمراہ بنوقریظہ کا محاصرہ کرلیا۔بعض روایات کے مطابق یہ محاصرہ پچیس دن تک جاری رہا، بالآخر بنوقریظہ نے ہتھیار پھینک دیے، اور اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ،سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی عورتوں کو ان سے الگ کرکے مردوں کو پابندِ سلاسل کردیا، اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق آخری فیصلہ نہیں سنایا تھا کہ قبیلۂ اوس کے لوگوں نے' جو کہ بنوقریظہ کے حلیف تھے' ان کے حق میں سفارش کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی کہ آپؐ نے جس طرح قبیلۂ خزرج کی سفارش پر بنوقینقاع کو چھوڑ دیا تھا، اسی طرح انھیں بھی معاف کردیں ،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلۂ اوس سے کہا : کیا تم اپنے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تسلیم کروگے؟ انھوں نے کہا: ہاں! چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا: ان کے مردوں کو قتل کردیا جائے ،عورتوں کو قیدی بنالیا جائے ،اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کردیے جائیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فیصلے کی توثیق کردی، پھر اسی کے مطابق تقریبا سات سو افراد کو قتل کردیا گیا ،عورتوں کو قید کرلیا

گیا، اوران کے اموال ضبط کر لیے گئے ...... اسی طرح قبیلۂ بنونضیر کے سردار حُیَی بن اخطب کو بھی قتل کر دیا گیا جو بنوقریظہ کے ایک قلعے میں چھپا ہوا تھا، اوراسی نے بنوقریظہ کو جنگِ احزاب کے دنوں میں مسلمانوں سے عہد شکنی کرنے پر ابھارا تھا۔ (تفصیلات کے لیے: ابن ہشام ۲/ ۲۳۳، صحیح البخاری ۲/ ۵۹۰، زاد المعاد ۲/ ۷۲-۷۴)

تنبیہ: بنوقریظہ کے اس عبرتناک انجام کے ساتھ ہی مدینہ طیبہ سے یہودیوں کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا گیا، اس کے بعد کوئی یہودی مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر نہ تھا، سب کے سب یہودی مدینہ سے دور چلے گئے، لیکن یہ لوگ اپنے برے انجام سے کوئی عبرت حاصل نہ کر سکے بلکہ مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشوں میں کسی نہ کسی طرح شریک رہے۔

٦- ابورافع کا قتل: یہ شخص ایک پیشہ ور یہودی مجرم تھا، اور یہودیوں کے اس وفد میں شامل تھا جس نے مکہ مکرمہ جا کر قریش اور غطفان کے قبائل کو جنگِ احزاب کے لیے ابھارا تھا، بنوقریظہ کے عبرتناک انجام کے بعد بھی یہ شخص مسلمانوں کے خلاف سرگرم عمل رہا، اور مشرکین کے مختلف قبائل کو برانگیختہ کرتا رہا، اس کی سازشوں سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ بنوخزرج کے پانچ افراد کو' جن کے قائد عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ تھے' اسے قتل کر دینے کی اجازت دے دی۔ ابورافع خیبر کے ایک قلعہ میں رہائش پذیر تھا۔ ایک دن عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت اس قلعے تک جا پہنچے، سورج غروب ہو چکا تھا، اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جا چکے تھے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو ایک جگہ رکنے کا حکم دیا اور خود قلعے کے دروازے کے قریب چلے گئے، اور اس کے بند ہونے سے پہلے کسی طرح اندر جانے میں کامیاب ہو گئے، ایک کونے میں چھپ کر قلعہ کے اندر ہونے والی نقل و حرکت کا بغور جائزہ لیتے رہے۔ ابورافع قلعہ کے بالا خانے میں تھا، جب تمام لوگ اس سے ملنے کے بعد قلعہ سے باہر چلے گئے تو عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ اٹھے ...... اس کے بعد انھوں نے کیا کیا! خود ان کے الفاظ

میں پڑھیے:

''قلعہ کے پہرے دار نے قلعہ کی چابیاں ایک دیوار پر لٹکا دی تھیں، میں نے انھیں اٹھایا اور ابورافع کے کمرے کی طرف چل دیا، راستے میں جتنے کمروں سے مجھے گذرنا تھا میں انھیں چابیوں سے کھولتا اور اندر جا کر تالہ لگا دیتا۔ میرا خیال تھا اگر ابورافع کی مدد کے لیے کوئی آئے بھی تو اسے یہ تمام کمرے اندر سے بند ملیں، اور وہ اس کی مدد کے لیے اس کے پاس نہ پہنچ سکے۔ میں اس کے کمرے تک پہنچا، جہاں گھپ اندھیرا تھا، اور مجھے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں سو رہا ہے! میں نے ابورافع کو آواز دی، اس نے کہا: کون ہے؟ میں اس کی آواز کی جانب لپکا اور تلوار کا وار کیا، اس نے زوردار چیخ ماری، اور میں کمرے سے باہر آ گیا۔ کچھ دیر ٹھہر کر میں دوبارہ اندر گیا، اور میں نے کہا: اے ابورافع! یہ آواز کس کی تھی؟ اس نے کہا: تیری ماں ہلاک ہو، ابھی کسی شخص نے مجھ پر تلوار کا وار کیا تھا۔ سو میں نے اس پر ایک اور وار کیا، اور اس کے پیٹ پر تلوار رکھ دی جو اسے چیرتی ہوئی اس کی پیٹھ تک چلی گئی، اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ مر چکا ہے۔ میں باہر نکلا اور تمام دروازوں کو ایک ایک کر کے کھولنے لگا، یہاں تک کہ میں ایک سیڑھی پر پہنچا، اور میں نے سمجھا کہ میں زمین پر پہنچ چکا ہوں، چنانچہ میں نے اپنا پاؤں سیڑھی سے زمین پر رکھنا چاہا تو نیچے جا گرا، جس سے میری پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اسے اپنی پگڑی سے باندھ دیا اور قلعہ کے مین گیٹ پر پہنچ کر رک گیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا: آج اس وقت تک قلعہ سے باہر نہیں جاؤں گا جب تک ابورافع کے قتل کا یقین نہ کرلوں، چنانچہ میں صبح ہونے تک دروازے کے قریب بیٹھا رہا۔ اُدھر مرغے نے صبح ہونے کا اعلان کیا اور اِدھر ایک شخص نے قلعہ کی دیوار پہ چڑھ کر بلند آواز سے کہا: آج اہلِ حجاز کا تاجر ابورافع قتل ہو گیا ہے۔ اب میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور انھیں دشمنِ الٰہی کے قتل کی خوشخبری سنائی، پھر ہم سب رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ کو سارا قصہ سنایا، جس پر آپ نے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا: اپنی

ٹانگ میرے سامنے بڑھاؤ۔ میں نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی، آپؐ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور مجھے یوں لگا جیسے کچھ بھی نہ ہوا تھا۔'' (صحیح البخاری ۲/۵۷۷)

۷۔ خیبر...... سازشوں کا گڑھ: قبیلہ بنو قریظہ کے عبرتناک انجام کا واقعہ ۵ھ میں جنگِ احزاب کے فوراً بعد پیش آیا، اور جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اس کے بعد مدینہ طیبہ یہودیوں سے خالی ہوگیا، اور مسلمان اپنے ان دشمنوں سے کافی حد تک بے خوف ہو گئے، پھر ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ تقریباً چودہ سو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ عمرہ کرنے کی غرض سے سوئے مکہ روانہ ہوئے، لیکن مشرکینِ مکہ نے آپ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو روک لیا، اور عمرہ کرنے کا موقع نہ دیا، اس پر مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا' جو صلحِ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے' اس معاہدے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین آیندہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف جنگ نہیں کریں گے، یوں مسلمانوں کو اپنے اس دشمن کی طرف سے بھی اطمینان نصیب ہوا، لیکن اس دوران یہودی اپنی بکھری ہوئی طاقت کو خیبر میں یکجا کر چکے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں، اس لئے رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپسی کے تقریباً ایک ماہ بعد خیبر کے یہودیوں کی خبر لینے روانہ ہو گئے۔ آپ کی فوج میں وہی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم شریک تھے جو صلحِ حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ خیبر میں یہودیوں نے انتہائی مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جنھیں فتح کرنا آسان کام نہ تھا، یہودی اپنے قلعوں میں بند تھے، اور نشانے لے لے کر مسلمانوں پر تیر اندازی کر رہے تھے۔ فریقین میں شدید لڑائی ہوئی، کئی مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا، اور بالآخر یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیے، اور خیبر کے تمام قلعے اور یہودیوں کی زمینیں اور ان کے تمام اموال مسلمانوں کے قبضے میں آگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں خیبر سے بھی جلا وطن کرنا چاہا، لیکن انھوں نے آپ ﷺ سے گزارش کی کہ ہمیں یہیں رہنے دیا جائے، ہم یہاں کی زمینوں سے

بخوبی واقف ہیں، ان میں کاشتکاری کریں گے اور ان کی حفاظت ہمارے ذمہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے زمینیں ان کے حوالے کردیں بشرطیکہ زراعت کی آمدنی کا آدھا حصہ وہ مسلمانوں کو ادا کریں گے، اس طرح یہودیوں کی فوجی، سیاسی اور اقتصادی طاقت خاک میں مل کر رہ گئی، اور وہ مسلمانوں کے مزارعوں کے طور پر خیبر میں رہنے لگے۔

۸- زہریلا گوشت: فتحِ خیبر کے بعد ابھی آپ ﷺ خیبر ہی میں تھے کہ ایک یہودی عورت نے آپ ﷺ کی خدمت میں بکری کا بھنا ہوا گوشت بطورِ ہدیہ پیش کیا، اس سے پہلے وہ مسلمانوں سے معلوم کرچکی تھی کہ آپ ﷺ کو بازو کا گوشت زیادہ پسند ہے، چنانچہ اس نے بازو کے گوشت میں زیادہ اور دوسرے گوشت میں قدرے کم زہر ملا دیا، آپ ﷺ نے اس کا ایک ٹکڑا منہ میں ڈالا اور فوراً باہر نکال کر فرمایا: مجھے یہ ہڈی بتا رہی ہے کہ اس میں زہر کی ملاوٹ ہے۔ اس کے بعد اس عورت کو بلایا گیا تو اس نے اعترافِ جرم کرلیا۔ (زاد المعاد ۲/۱۳۹)

اور صحیح روایات میں موجود ہے کہ آپ ﷺ اس زہر کا اثر اپنی موت تک محسوس کرتے رہے، اور اسی بنا پر بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کو شہادت کی موت نصیب ہوئی۔

۹- فدک اور وادی القریٰ کے یہود: فدک کے مقام پر بھی یہودیوں کے کچھ قبائل آباد تھے، انھیں جب خیبر کے یہودیوں کے انجام کا علم ہوا تو انھوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ اسی شرط پر صلح کرلی جس پر خیبر کے یہودیوں نے کی تھی، اور جہاں تک وادی القریٰ کے یہودیوں کا تعلق ہے تو ان سے آپ ﷺ نے جنگ کی، جس میں یہودیوں کو شکست ہوئی اور انکے اموال بھی مسلمانوں کے قبضے میں آگئے، پھر ان سے بھی اہلِ خیبر کی طرح صلح ہوگئی۔

فلسطین اور یہود

﴿ مختصر تاریخ ﴾

❑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے (تیرھویں بارھویں صدی قبل مسیح) سے لے کر یہود فلسطین میں آباد رہے اور یہاں انھیں اقتدار بھی حاصل رہا جس کا نقطہ عروج حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد (۲۶-۹۶۵ ق م) تھا۔ پھر یہودیوں کی مملکت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی: شمالی فلسطین اور شرق اردن میں سلطنت اسرائیل (پایہ تخت سامریہ) اور جنوبی فلسطین اور اُدوم میں سلطنت یہودیہ (پایہ تخت یروشلم) دو صدیاں بعد ۷۲۱ ق م میں شاہ اشور سارگون نے سامریہ فتح کر کے دولت اسرائیل کا خاتمہ کر دیا' ہزاروں اسرائیلی تہ تیغ کیے اور ۲۷ ہزار سے زائد یہودی اشوری سلطنت کے مشرقی حصوں میں تتر بتر کر دیے۔

❑ سلطنت یہودیہ کو شاہ بابل (عراق) بخت نصر نے ۵۹۸ ق م میں مسخر کر لیا۔ پھر ۵۸۷ ق م میں اس نے یروشلم اور ''ہیکل سلیمانی'' کو پیوند خاک کر دیا اور دس لاکھ یہودیوں کو غلام بنا کر عراق لے گیا جنھیں ۵۳۹ ق م میں شاہ فارس خورس (خسرو یا سائرس) نے بابل فتح کر کے رہائی دلائی تو یہودی پھر فلسطین جا آباد ہوئے اور ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا۔

❑ ۳۳۱ ق م میں سکندر اعظم (بت پرست یونانی) نے فلسطین پر قبضہ جمایا۔ پھر ۶۳ ق م میں اسے بت پرست رومیوں نے فتح کر لیا۔ اسی دور میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۴ ق م تا ۲۹ء) یہودیوں کی اصلاح و ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے مگر یہودی ان کی جان کے دشمن ہو گئے۔ ۷۰ء میں یہودیوں نے بغاوت کی تو رومی جرنیل ٹائٹس نے یروشلم کو تاخت و تاراج کیا اور ''ہیکل سلیمانی'' دوسری بار مسمار کر دیا گیا۔ ۱۳۵ء کی یہودی بغاوت کے بعد رومی شہنشاہ

ہیڈریان نے یہودیوں کو فلسطین سے جلاوطن کر دیا اور یروشلم کو ''ایلیا'' کا نام دیا۔ ۳۱۳ء میں اگرچہ رومی شہنشاہ قسطنطین اعظم کے عیسائیت قبول کرنے سے تمام رومی سلطنت میں عیسائیت پھیلتی چلی گئی' پھر بھی یہودیوں کو فلسطین میں آباد ہونے کی اجازت نہ ملی۔ ۱۴ھ/ ۶۳۶ء میں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد میں فلسطین مسلمانوں کے قبضے میں آیا اور ایلیا اب بیت المقدس کہلانے لگا۔ ۱۳۷ء میں فلسطین سے جلاوطنی کے بعد ۱۷۰۰ برس تک یہودیوں کو یہاں آباد ہونے کی اجازت نہ تھی۔ اس دوران ۱۰۹۹ء سے ۱۱۸۷ء تک بیت المقدس پر مسیحی صلیبیوں کا قبضہ رہا۔

❑ صدیوں کی جہاں گردی کے بعد یہودیوں نے بیت المقدس اور فلسطین پر قبضہ کرنے کی غرض سے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت کام کیا، اس کا آغاز ۱۸۸۰ء میں کئی یہودی خاندانوں کی فلسطین کی طرف ہجرت سے ہوا۔

❑ پھر ۱۸۹۷ء میں ''صہیونی تحریک'' معرضِ وجود میں آئی ،جس کا بنیادی نصب العین فلسطین پر قبضہ کرنا اور ''ہیکلِ سلیمانی'' کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کے لیے عملی جدو جہد کرنا تھا ، بڑے بڑے یہودی مالداروں نے اس تحریک کی پشت پناہی کی ، اور فلسطین کی زمینیں خریدنے اور وہاں یہودی بستیاں تعمیر کرنے کی غرض سے ان کی امداد کی ۔

❑ اس کے بعد ۱۹۰۱ء میں ہرٹزل نے ترکی خلیفہ سلطان عبدالحمید کو لالچ دینا چاہا کہ اگر وہ سرزمینِ فلسطین پر یہودی مملکت کے قیام کی اجازت دے دیں تو یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں، لیکن سلطان نے اس پیشکش کو انتہائی حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا، اور کہا: اس وطن کی سرزمین' جسے ہمارے آباؤ اجداد نے خون دے کر حاصل کیا تھا' چند درہموں کے بدلے نہیں بیچی جائے گی ، ہم اس وطن کی ایک بالشت برابر زمین بھی اس وقت تک نہیں دیں گے جب تک اس پر ہمارا خون نہ بہہ جائے ۔اس پر یہودی سلطان کے خلاف سرگرم عمل ہو گئے اور

بالآخر ۱۹۰۸ء میں انھیں خلافت سے معزول اور ترکی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

❑ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگِ عظیم برپا ہوئی تو برطانویوں کی سازش سے ترک اور عرب ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ گئے۔ ترک جرمنی کے اور عرب برطانیہ کے حلیف تھے۔ اس دوران میں ''وائز مین'' نامی ایک یہودی نے انگریزوں کو پیش کش کی تھی کہ اگر وہ جرمنی پر فتح حاصل کرنے کے بعد فلسطین کی سرزمین پر یہودیوں کا قومی وطن قائم کر دیں تو اس جنگ میں یہودیوں کے سارے خزانے ان کے قدموں تلے قربان کر دیے جائیں گے۔ ''وائز مین'' اس یہودی تحریک کا لیڈر تھا جو فلسطین پر یہودی مملکت کے قیام کے لیے سرگرم تھی، آخر کار وہ ۱۹۱۷ء میں انگریزوں سے یہ وعدہ لینے میں کامیاب ہوگیا کہ فتح کی صورت میں وہ فلسطین کو ایک آزاد یہودی وطن بنا دیں گے۔ یہ وعدہ ''اعلان بالفور'' کے نام سے مشہور اور انگریزوں کے ماتھے پر بدنما داغ ہے جسے وہ کبھی دھو نہیں سکتے، کیونکہ فلسطین کی سرزمین عربوں کی تھی نہ کہ انگریزوں کی، اس لئے انھیں اس کے متعلق کوئی بھی فیصلہ کرنے کا قطعاً کوئی حق نہ تھا۔ یاد رہے بالفور برطانوی وزیر خارجہ تھا۔

❑ معاہدہ بالفور کے مطابق انگریزوں نے ولد الزنا لارنس آف عریبیا کی قیادت میں سازش کا جال پھیلایا۔ گورنر مکہ شریف حسین لارنس کے فریب میں آ کر ترکوں سے غداری پر آمادہ ہوگیا جس سے سلطنت عثمانیہ کی فوجی قوت کو بڑا ضعف پہنچا اور اس کے نتیجے میں فلسطین اور عراق پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔ دسمبر ۱۹۱۷ء میں برطانوی جرنیل ایلن بی فاتحانہ طور پر بیت المقدس میں داخل ہوا اور تب اس نے بڑے فخر سے کہا: ''میں آخری صلیبی ہوں۔'' اس جملے کا مفہوم یہ تھا کہ بیت المقدس پر قبضے کے لیے یورپی مسیحیوں نے ۱۰۹۶ء میں صلیبی جنگوں کے جس سلسلے کا آغاز کیا تھا' اس کا اختتام اب ہوا ہے۔

❑ ۱۹۱۷ء میں فلسطین کی یہودی آبادی محض چھپن ہزار تھی، لیکن پہلی جنگِ عظیم میں برطانیہ کی فتح کے ساتھ ہی ''اعلان بالفور'' پر عمل درآمد شروع کر دیا گیا، اور یہودیوں نے فلسطین کی جانب دھڑا دھڑ ہجرت شروع کر دی، چنانچہ ۱۹۲۲ء تک فلسطین میں یہودیوں کی آبادی ۸۳ ہزار تک جا پہنچی۔

❑ ۱۹۲۲ء میں مجلسِ اقوام (لیگ آف نیشنز) نے فلسطین پر حکومت کرنے کا عارضی اختیار برطانیہ کو سونپ دیا، اور پوری بے شرمی کے ساتھ اسے ہدایت کی کہ فلسطین کے حکومتی نظم ونسق میں یہودی تنظیموں کو باقاعدہ طور پر شریک کیا جائے! حالانکہ یہ لوگ فلسطین کے اصل باشندے نہ تھے، باہر سے آکر یہاں آباد ہوگئے تھے، (فلسطین کے اصل باشندے تو فلستی وغیرہ تھے جو بنی اسرائیل کے فلسطین میں داخل ہونے سے بھی پہلے یہاں آباد تھے یا یہودیوں کی جلاوطنی کے بعد یہاں آباد ہونے والے عرب تھے' اور وہی لوگ پہلے عیسائی اور پھر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور انھی کے نام پر یہ سرزمین فلسطین کہلاتی ہے) اور جہاں تک فلسطین کے اصل باشندوں کا تعلق ہے تو ان کے متعلق مجلس اقوام کے مینڈیٹ میں محض اتنا کہا گیا کہ ان کے مذہبی اور شہری حقوق کا تحفظ کیا جائے، باقی سیاسی حقوق میں ان کی شرکت کا مطلق ذکر نہیں تھا!

❑ برطانوی انتداب کے زمانے میں یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کا کام منظم انداز میں کیا گیا، چنانچہ فلسطین کی زمینیں حاصل کرنے کے لیے یہودیوں نے خزانوں کے منہ کھول دیے، عربوں پر ٹیکس لگائے گئے، اور ٹیکسوں کے بقایا کا بہانہ بنا کر ان کی زمینیں ضبط کر کے انھیں یہودیوں کی جھولی میں ڈال دیا گیا، پھر دوسری جنگِ عظیم کے دوران بھی یہودی' فوج در فوج' فلسطین میں داخل ہوئے اور انگریزوں نے انھیں تمام سہولتیں مہیا کیں، اور یوں ۱۹۴۷ء تک یہودیوں کی تعداد تراسی ہزار سے بڑھ کر ساڑھے چار لاکھ تک جا پہنچی!

❏ ۱۹۴۷ء میں برطانیہ نے مسئلۂ فلسطین اقوامِ متحدہ میں پیش کر دیا، چنانچہ نومبر ۱۹۴۷ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی نے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ صادر کیا، اس فیصلے کے مطابق فلسطین کا پچپن فیصد رقبہ یہودیوں کو اور پنتالیس فیصد رقبہ عربوں کو دیا گیا! یہ تقسیم انتہائی ظالمانہ اور بدنیتی پر مبنی تھی، کیونکہ اس وقت فلسطین میں عرب آبادی سڑسٹھ فیصد اور یہودی آبادی تینتیس فیصد تھی، لیکن یہودی اس ظالمانہ تقسیم پر بھی راضی نہ ہوئے اور مار دھاڑ کر کے عربوں کو ان کی زمینوں سے نکالنا شروع کر دیا۔

❏ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو یہودیوں نے اپنے قومی وطن ''اسرائیل'' کے قیام کا اعلان کر دیا، جسے امریکہ، روس اور برطانیہ نے سب سے پہلے تسلیم کیا، اس وقت پڑوسی عرب ممالک نے فلسطینی مسلمانوں کی مدد کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے اور اپنی فوجیں فلسطین میں داخل کیں، لیکن ''اسرائیل'' زبردست جنگی طاقت حاصل کر چکا تھا، سو عرب ممالک اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے، بلکہ نومبر ۱۹۴۸ء میں جب اقوامِ متحدہ نے جنگ بندی کا اعلان کیا تو اس وقت تک اسرائیل فلسطین کے اٹھہتر فیصد رقبے پر قبضہ کر چکا تھا۔ اردن نے مشرقی بیت المقدس کو یہودیوں کے قبضے میں جانے سے بچا لیا جہاں مسجد اقصیٰ واقع ہے۔

❏ جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے باقی ماندہ بیت المقدس کے علاوہ مصری صحرائے سینا اور شام کی جولان کی پہاڑیوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ یوں مسلمانوں کے قبلہ اوّل کا شہر بیت المقدس انیس برس بعد پھر غیر مسلموں کے تسلط میں چلا گیا۔

بیت المقدس اور یہود

<u>بیت المقدس کو یہودی شہر قرار دینے کی کوششیں:</u> جب سے یہودیوں نے ''بیت المقدس'' پر قبضہ کیا ہے تب سے اسے ''یہودی شہر'' باور کرانے کی غرض سے ان کی طرف سے متعدد اقدامات کیے گئے ہیں، ان اقدامات کی کچھ تفصیلات پہلے گذر چکی ہیں، اور دیگر تفاصیل کچھ یوں ہیں:

☆ کسی بھی جگہ کے اسلامی ہونے کی سب سے بڑی دلیل ''مسجد'' ہوتی ہے، جہاں سے دن اور رات میں پانچ مرتبہ صدائے تکبیر بلند ہوتی ہے، اور مسلمان بارگاہِ الٰہی میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں مسجد کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر یہودیوں نے اب تک بیت المقدس کی بیسیوں اور پورے فلسطین کی سینکڑوں مساجد کو زمیں بوس کر دیا ہے، بلکہ ان میں سے کئی مساجد کو یہودی عبادت خانوں، شراب خانوں، کلبوں اور ہوٹلوں میں تبدیل کر لیا ہے، یہ سب کچھ اس بات کو مدنظر رکھ کر کیا جا رہا ہے کہ یہودیوں کی آئندہ نسلیں جب سنِ شعور کو پہنچیں تو وہ بیت المقدس کے اسلامی شہر ہونے کا تصور ہی نہ کر سکیں اور انھیں بس اتنا معلوم ہو کہ یہ شہر یہودیوں ہی کا شہر ہے، مسلمانوں کا اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔

☆ بیت المقدس کے اندر مسلمانوں کے کئی قبرستان واقع ہیں، یہودیوں نے ان کی اسلامی شکل کو مٹانا شروع کر دیا ہے، چنانچہ کئی قبروں پر عبرانی زبان میں' جو کہ یہودیوں کی سرکاری زبان ہے' کتبے لکھ کر لگا دیے گئے ہیں، اور کئی قبروں کو یہودیوں کی روحانی شخصیات کی قبریں قرار دے کر انھیں مزارات میں تبدیل کر دیا گیا ہے، اس سے بھی یہودیوں کی آئندہ نسلوں کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ اس شہر میں محض یہودی آباد رہے ہیں، کیونکہ اگر اس میں مسلمان رہے

ہوتے تو اس میں ان کی قبریں موجود ہوتیں!

☆ کئی جگہوں پر کچھ بھی نہ تھا، محض جھوٹا دعویٰ کر کے یہودیوں نے یہ باور کرایا کہ یہ جگہیں یہودیوں کی تاریخی، روحانی اور قابلِ احترام جگہیں ہیں، اور مسلمانوں کا ان سے کوئی تعلق نہیں، پھر اسی دعوے کی بناء پر ان جگہوں کے مسلمان مالکان کو نکال باہر کیا گیا، وہاں اچھی اچھی عمارات بنا دی گئیں، بلکہ آس پاس کے گھروں کو بھی منہدم کر کے وہاں کھلے میدان بنا دیے گئے، پھر ان کی طرف جانے والے راستوں کو پختہ کر کے سجا دیا گیا اور ان پر عبرانی زبان میں تختیاں لگا دی گئیں تاکہ یہ ثابت ہو کہ یہ جگہیں واقعتا یہودیوں کی تاریخی اور روحانی جگہیں ہیں۔ انہی جگہوں میں سے ایک جگہ (حی المغاربہ) بھی ہے جسے یہودیوں نے ۱۹۶۷ء میں یہ دعویٰ کرتے ہوئے مکمل طور پر گرا دیا تھا کہ اس کے پڑوس میں واقع دیوارِ گریہ (حائط المبکیٰ یا Wailing Wall) ہیکلِ سلیمانی کا بقیہ حصہ ہے، لہٰذا اس پر یہودیوں کا حق ہے نہ کہ مسلمانوں کا۔ یاد رہے کہ (حی المغاربہ) نامی اس پورے محلے کو اہلِ مغرب (مراکشیوں) نے تعمیر کیا تھا اور اسے ان مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا جو مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے یا طلبِ علم کی خاطر بیت المقدس آتے تھے تاکہ وہ اسی محلے میں قیام کریں اور جب یہودیوں نے اسے گرایا تھا اس وقت اس میں مسلمانوں کے ایک سو پینتیس خاندان آباد تھے، جو بعد میں بے گھر ہو گئے، اس کے علاوہ اس میں چار عدد مسجدیں بھی تھیں جنھیں نیست و نابود کر دیا گیا، اور ایک عدد مدرسہ 'مدرسہ افضلیہ کے نام سے' بھی تھا جسے مملوک سلطان الملک الافضل نے چھٹی صدی ہجری میں تعمیر کر کے مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔

اور جہاں تک دیوارِ گریہ پر یہودیوں کے حق کا تعلق ہے تو یہ محض ایک دعویٰ ہے جس کی بنیاد جھوٹ کے سوا کچھ نہیں، بلکہ یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ برطانوی انتداب کے دور میں جب یہودیوں نے اس دیوار کی ملکیت کا دعویٰ کیا تھا، اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے ایک تحریک

"ثورۃ البراق" کے نام سے شروع کی تھی، تو یہ مسئلہ لیگ آف نیشنز میں پیش ہوا تھا، اور یہودی چونکہ اپنے اس دعوے کا کوئی دستاویزی ثبوت پیش نہیں کر سکے تھے اس لئے مجلسِ اقوام نے دسمبر ۱۹۳۰ء میں فیصلہ سنایا تھا کہ یہ دیوار صرف مسلمانوں کی ملکیت ہے اور مسجد اقصیٰ کا حصہ ہے۔

☆ کچھ عرصہ پہلے "اسرائیل" میں شراب کی ایسی بوتلیں منظرِ عام پر آئی تھیں جن پر مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرۃ کی تصویریں بنی ہوئی تھیں، اور عبرانی زبان میں ان پر کوئی عبارت بھی لکھی ہوئی تھی، اس حرکت کے پیچھے یہودیوں کی مکارانہ سوچ تھی اور اس کا مقصد یہ باور کرانا تھا کہ مسجد اقصیٰ کی یہودیوں کے ہاں قطعاً کوئی حیثیت نہیں، اور یہی وجہ ہے کہ اسرائیل کے بچے بچے کو یہ سبق پڑھایا جا رہا ہے کہ مسلمان ظالم قوم ہیں، کیونکہ انھوں نے ہیکلِ سلیمانی کی جگہ پر پر مسجد تعمیر کر دیا ہے، اس لئے اسے گرانا اور اس کی جگہ پر ہیکل کو دوبارہ تعمیر کرنا ہر یہودی پر فرض ہے۔

☆ ان تمام اقدامات کے علاوہ ایک اور اہم قدم یہ بھی اٹھایا گیا ہے کہ بیت المقدس میں مسلمانوں کی زمینیں یہودیوں کے نام الاٹ کی جا رہی ہیں، مسلمانوں کو ان سے بے دخل کر کے وہاں یہودی آباد کاری کی ایک زبردست مہم جاری ہے، یہودیوں کی رہائش کے لیے نئی نئی بستیاں مسلمانوں کی زمینوں پر تعمیر کی جا رہی ہیں، اور جو ہزاروں مسلمان یہودیوں کے مظالم سے تنگ آ کر وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے ہیں، نہ صرف یہ کہ ان کی زمینوں، جائیدادوں اور تمام املاک کو ضبط کر لیا گیا ہے، بلکہ ان سے حقِ واپسی بھی چھین لیا گیا ہے۔

☆ بیت المقدس کی سڑکوں کے اسلامی نام یہودی ناموں میں تبدیل کر دیے گئے ہیں، اور اسرائیل نے بیت المقدس کو اپنا دار الحکومت قرار دے کر بڑے بڑے سرکاری محکموں کو بیت المقدس میں منتقل کر دیا ہے۔

بیت المقدس میں یہودی آبادی

﴿ تاریخ کے آئینے میں ﴾

سال	تعداد
۶۳۶ء	ایک یہودی بھی نہ تھا
۱۲۶۷ء	دو یہودی خاندان
۱۵۶۰ء	۱۱۵ یہودی
۱۶۷۰ء	۱۵۰ یہودی
۱۸۳۸ء	۳۰۰۰ یہودی
۱۸۴۴ء	۷۱۲۰ یہودی
۱۸۷۶ء	۱۲۰۰۰ یہودی
۱۸۹۶ء	۲۸۱۲۲ یہودی
۱۹۲۲ء	۳۳۹۷۰ یہودی
۱۹۳۱ء	۵۱۲۲۲ یہودی
۱۹۴۴ء	۹۷۰۰۰ یہودی
۱۹۶۷ء	۱۹۷۷۰۵ یہودی
۱۹۷۵ء	۲۵۹۴۰۰ یہودی
۱۹۸۵ء	۲۷۷۰۰۰ یہودی
۱۹۹۳ء	۴۰۶۴۰۰ یہودی
۱۹۹۸ء	۴۲۰۰۰۰ یہودی

مسجد اقصیٰ کو گرانے کی یہودی کوششیں: اس دعوے کے پیشِ نظر کہ چونکہ مسجد اقصیٰ کی عمارت

ہیکلِ سلیمانی پر قائم ہے اس لئے اسے گرا کر ہیکل کی دوبارہ تعمیر یہودیوں کا دینی فریضہ ہے، یہودی اسے نیست ونابود کر دینے پر تلے ہوئے ہیں، بلکہ اس سنگین جرم کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں، اب صرف تنفیذ باقی ہے، چنانچہ انہدام کے ضروری آلات اور اس کی مشینیں تیار ہیں، چھوٹے ہیکل کا ڈھانچا اور اس میں جن جن چیزوں کو نصب کیا جائے گا، وہ سب تیار کی جا چکی ہیں۔ اب صرف ''مناسب وقت'' کا انتظار ہے!

یہودی اس مقصد کے حصول کے لیے کیا کیا وسائل اختیار کر رہے ہیں، ذیل میں ہم انھیں قدرے اختصار کے ساتھ بیان کر رہے ہیں:

(1) اسرائیلی یونیورسٹیوں، کالجوں اور سکولوں میں نوجوان طالب علموں کو مسجد اقصیٰ کے خلاف آخری قدم اٹھانے پر ابھارنے کے لیے ان کے ذہنوں میں ہیکل کی اہمیت کو خوب اچھی طرح سے بٹھایا جا رہا ہے۔ جگہ جگہ ایسے اسٹکر ز لگائے جا رہے ہیں جن پر ہیکل کا نقش بنا ہوا ہے، اور ان پر عبرانی زبان میں لکھا ہوا ہے: اے یہودی! اس کی تعمیر کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔

(2) شدت پسند یہودیوں نے ریڈیو اسرائیل کے متعدد پرائیویٹ چینل قائم کر رکھے ہیں جن کے ذریعے مسجد اقصیٰ کے انہدام اور ہیکل کی تعمیر کے لیے زبردست اور انتہائی زہر آلود مہم چلائی جا رہی ہے۔

(3) بیت المقدس میں کچھ عرصہ پہلے ایک کنونشن منعقد کیا گیا تھا جس میں یہودی قبیلہ (لیفی) کے کئی لوگوں کو ہیکل کی تعمیر مکمل ہو جانے کے بعد اس کی نگرانی کے لیے تربیت دی گئی، اور انھیں اس ''عظیم'' خدمت کے لیے تیار کیا گیا۔

(4) بیت المقدس میں یہودیوں نے متعدد چھوٹے چھوٹے ہیکل تعمیر کر رکھے ہیں، اور دنیا بھر کے یہودیوں کو اسرائیل آنے کی دعوت دے کر انھیں یہ چھوٹے چھوٹے ہیکل دکھائے جاتے ہیں اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کے انہدام کے بعد انھی کی طرح کا ایک بڑا ہیکل اس کی

جگہ پر تعمیر کیا جائے گا، اور اس کے لیے اتنا سرمایہ درکار ہوگا، چنانچہ زیارت کے لیے آئے ہوئے یہ یہودی اس ''دینی کام'' کے لیے ''حسبِ توفیق'' چندے دیتے ہیں۔

(5) بیت المقدس کی سڑکوں پر ہر روز ایسی گاڑیاں گردش کرتی رہتی ہیں جن سے یہودیوں کے جذبات کو نغموں اور اشعار سے بھڑکایا جاتا ہے اور انھیں تعمیرِ ہیکل کے فریضے کی یاد دہانی کرائی جاتی ہے۔

(6) انتہا پسند یہودیوں کو اسرائیلی ''عدالتِ انصاف'' کی طرف سے اجازت دی گئی ہے کہ وہ مسجد اقصیٰ میں جب چاہیں اور جیسے چاہیں داخل ہو سکتے ہیں، اس میں گھوم پھر سکتے ہیں اور یہودی طریقے کے مطابق اس میں ''عبادت'' بھی کر سکتے ہیں۔

(7) ہیکل کی تزئین اور سجاوٹ کے لیے متعدد فانوس بنا دیے گئے ہیں، جن میں اب تک بیالیس کلو سونا لگایا جا چکا ہے۔

(8) یہودیوں کی متعدد انتہا پسند تنظیموں نے مل کر ایک ''معہد'' بنایا ہے جس میں ہیکل کی تعمیر وتزئین کے لیے مطلوب کئی آلات اور مشینوں کی بناوٹ کے لیے دن رات کام ہو رہا ہے۔

(9) ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لیے اسرائیل میں جو یہودی جماعتیں مصروفِ عمل ہیں ان کے دنیا بھر میں دفاتر قائم ہیں، جن کے ذریعے عالمی رائے عامہ کو اس مقصد کے لیے ہموار کیا جا رہا ہے اور اس سلسلے میں یہودی سرمایہ داروں سے بھاری رقوم جمع کی جا رہی ہیں۔

(10) مسجد اقصیٰ میں آئے دن سر پھرے اور مسلح یہودی داخل ہو جاتے ہیں اور اس کے تقدس کو پامال کرنے کے علاوہ نمازیوں کو دھمکیاں دیتے ہیں، بلکہ اس میں غیر اخلاقی حرکتیں اور شراب نوشی بھی کرتے ہیں، تاکہ مسلمان مشتعل ہوں اور انھیں ان کو قتل کرنے اور مسجد اقصیٰ کو نقصان پہنچانے کے مواقع میسر آئیں۔

ایک خطرناک اقدام: مسجد اقصیٰ گرا کر اس کی جگہ ہیکل کی تعمیر کے لیے مندرجہ بالا اقدامات کے علاوہ یہودیوں نے اب تک جو سب سے زیادہ خطرناک اقدام کیا ہے وہ ہے اس کے نیچے سرنگیں اور گڑھے کھودنے کا اقدام، چنانچہ ۱۹۶۷ء میں پورے بیت المقدس پر یہودیوں کے قبضے کے بعد مسجد اقصیٰ کے نیچے متعدد سرنگیں کھودی گئیں۔ اگرچہ یہودیوں کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کے پیچھے ان کا مقصد ہیکل کے قدیم آثار کو ڈھونڈنا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا اصل مقصد مسجد اقصیٰ کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنا ہے تاکہ اگر زلزلہ آئے، یا اس کے قریب کوئی زوردار دھماکہ ہو، یا طوفان وغیرہ آئے تو مسجد خود بخود منہدم ہو جائے، اور یوں ''سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی بچ جائے'' کے محاورے کے مطابق مسجد بھی ختم ہو جائے اور یہودیوں پر الزام بھی نہ آئے!

سرنگیں کھودنے کا یہ کام اس وقت شروع ہوا جب یہودیوں نے ''حائط البراق'' کے سامنے والا محلّہ (حی المغاربہ) مکمل طور پر زمیں بوس کر کے اسے خالی میدان میں تبدیل کر دیا تھا، پھر اس میدان کے نیچے سرنگیں کھودنے کی خطرناک مہم کا آغاز ہوا۔ اسی طرح مسجد اقصیٰ کی چاروں جانب مسلمانوں کے گھروں کو گرا کر اس جگہ یہودی دینی مدارس، سکول اور ہوٹل وغیرہ تعمیر کیے گئے اور پھر ان کے نیچے سرنگیں کھود کر انھیں مسجد اقصیٰ کی بنیادوں تک پہنچا دیا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں یہ سرنگیں مسجد اقصیٰ کے صحن کے نیچے تک اور ۱۹۷۶ء میں اس کی مغربی دیوار تک پہنچ گئی تھیں۔ اس کے بعد ان میں مزید توسیع کی گئی، اور ۱۹۸۸ء میں انھیں ''قبۃ الصخرۃ'' کی بنیادوں کے قریب قریب پہنچا دیا گیا، یوں یہ ساری کارروائی یقینی طور پر مسجد اقصیٰ کو خطۂ زمین سے مٹا دینے کے لیے کی جا رہی ہے۔

مسجد اقصیٰ پر یہود کی زیادتیاں

﴿ ایک مختصر جائزہ ﴾

۶ جون ۱۹۶۷ء	مسجد اقصیٰ سمیت پورے بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ
۲۷ جولائی ۱۹۶۷ء	یہودیوں نے ایک قانون پاس کیا جس کی رو سے مشرقی اور مغربی بیت المقدس کو ملا کر متحدہ بیت المقدس (یروشلم) قرار دے دیا گیا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ بیت المقدس میں مسلمانوں کا اکثریتی علاقہ بھی یہودیوں کے زیرِ تسلط آ جائے۔
۱۴ اگست ۱۹۶۷ء	مسلمانوں کے مقاماتِ مقدسہ کی نگرانی یہودی وزیرِ مذہبی امور کو سونپ دی گئی۔
۱۵ اگست ۱۹۶۷ء	ایک انتہا پسند یہودی لیڈر (شلوموغورین) اسلحہ لہراتے ہوئے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا، اس کے ساتھ بیس یہودی فوجی بھی تھے، پھر ان سب نے مل کر مسجد کی بے حرمتی کی۔
۲۱ اگست ۱۹۶۹ء	ایک آسٹریلوی عیسائی (ڈینس مائیکل) نے مسجد اقصیٰ میں آگ لگا دی، جس سے مسجد کا قیمتی سامان جل کر راکھ ہو گیا، دیواریں کالی ہو گئیں اور وہ یادگار منبر بھی جل گیا جسے نور الدین زنگی نے خصوصی طور پر بنوایا تھا اور سلطان صلاح الدین نے فتح بیت المقدس کے بعد اسے یہاں نصب کیا تھا۔ بعد میں اس واقعہ کی تحقیقات ہوئی تو اسرائیلی عدالت نے اس شخص کو یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ یہ پاگل ہے۔
۳۰ جنوری ۱۹۷۶ء	ایک اسرائیلی عدالت نے یہودیوں کو مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے اور اس میں یہودی طریقے کے مطابق ''عبادت'' کرنے کی قانونی اجازت دی۔
۱۱ مئی ۱۹۸۰ء	مسجد اقصیٰ کو تباہ کرنے کی کوشش کی گئی جب مسجد کے بالکل قریب ایک ٹن سے زیادہ ٹی این ٹی کا پھٹنے والا خطرناک مادہ پایا گیا۔

۲۸ اگست ۱۹۸۱ء	حائط البراق کے نیچے مسجد اقصیٰ کے صحن تک ایک سرنگ کی موجودگی کا انکشاف ہوا، بعد میں یہودیوں نے اعلان کیا کہ یہ سرنگ دراصل ہیکل کی تلاش میں کھودی گئی تھی۔
۳۱ اگست ۱۹۸۱ء	مسجد اقصیٰ سے ملی ہوئی بعض عمارتوں میں ان کے نیچے پائی جانے والی سرنگوں کی وجہ سے دراڑیں پڑ گئیں، یہ سرنگیں مسجد اقصیٰ کی جانب کھودی جارہی تھیں۔
۱۰ مارچ ۱۹۸۲ء	یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کے تقدس کو پامال کرنے کی بار بار کوشش کی، اس دوران مسجد کے مسلمان چوکیداروں کے ساتھ انکی متعدد جھڑپیں بھی ہوئیں۔
۱۱ اپریل ۱۹۸۲ء	''ہیری گڈ مین'' نامی ایک یہودی فوجی باب الغوانمہ سے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا اور اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی، جس سے مسجد کا ایک چوکیدار اور ایک نمازی شہید ہو گئے۔ پھر وہ فائرنگ کرتا ہوا قبۃ الصخرۃ کی جانب بڑھا اور متعدد نمازیوں کو زخمی کر ڈالا۔ اس دوران مسجد کی قریبی عمارتوں سے یہودی فوجی بھی مسجد کی جانب فائرنگ کرتے رہے۔ اس واقعے کی عالمی طور پر مذمت کی گئی، بلکہ اقوام متحدہ میں اسرائیل کے خلاف قرار دادِ مذمت بھی پیش کی گئی جسے امریکہ چودھری نے ویٹو کر دیا تھا۔
۲۵ جولائی ۱۹۸۲ء	شدت پسند یہودی تحریک (کاخ) کے لیڈر نے مسجد اقصیٰ کو ایک منصوبے کے تحت تباہ کرنا چاہا لیکن ناکام ہو گیا۔
۱۰ اگست ۱۹۸۴ء	مسجد اقصیٰ کے مسلمان چوکیداروں نے انکشاف کیا کہ چند دہشت گرد یہودی مسجد اقصیٰ کے اردگرد جمع ہوئے۔ ان کے پاس متعدد بم اور ایک سو بیس کلو گرام ٹی این ٹی آتش گیر مادہ تھا اور وہ مسجد اقصیٰ کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔
۹ جنوری ۱۹۸۶ء	اسرائیلی فوج نے مسجد اقصیٰ کے قرب وجوار کے علاقوں میں کرفیو نافذ کر دیا، پھر کرفیو کے دوران اسرائیلی پارلیمنٹ کے کئی یہودی ارکان مسجد میں داخل ہوئے اور اس کی بے حرمتی کی۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء	اسرائیلی لیڈروں نے مسجد اقصیٰ کے قریب تین سو پانچ ٹن وزنی پتھر رکھ کر تعمیرِ ہیکل کے منصوبے کا آغاز کیا، تب ایک یہودی نے اعلان کیا کہ آج سے ہم ایک نئے عہد کا آغاز کر رہے ہیں۔
۸ اکتوبر ۱۹۹۰ء	یہودیوں نے مسجد اقصیٰ کے اندر بھی ہیکل کی تعمیر کا آغاز کرنا چاہا لیکن مسلمانوں کے احتجاج پر وہ ایسا نہ کر سکے، اس احتجاج کے دوران یہودی فوجیوں کی گولیوں سے چونتیس مسلمان شہید ہو گئے۔
۲۴ ستمبر ۱۹۹۶ء	مسجد اقصیٰ کے نیچے کھودی گئی ایک سرنگ کو کھولا گیا جس کے نتیجے میں مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان شدید جھڑپیں ہوئیں اور 62 مسلمان شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔
۱۵ مئی ۱۹۹۸ء	ایک یہودی پلید نے مسجد اقصیٰ کے اندر خنزیر کا سر پھینکا جو قرآنی آیات کے ساتھ لپٹا ہوا تھا، اس کے علاوہ مسجد کا مغربی دروازہ جلا دیا گیا۔
۲۶ مئی ۱۹۹۸ء	اسرائیلی پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کیا جس کی رو سے مسجد اقصیٰ کی دیوار (حائط البراق) کو یہود کی ملکیت قرار دے دیا گیا۔
۱۰ ستمبر ۱۹۹۸ء	یہودی دہشت گردوں کی جانب سے مسجد اقصیٰ کو میزائلوں کے ذریعے اڑا دینے کے منصوبے کا انکشاف ہوا۔
۲۰ دسمبر ۱۹۹۸ء	مسجد اقصیٰ کی جانب جانے والے تمام راستوں پر خود کار کیمرے لگا دیے گئے تاکہ ہر آنے جانے والے شخص کی لحہ بہ لحہ نگرانی ہوتی رہے۔
۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء	اسرائیل کے موجودہ وزیرِ اعظم (ایریل شیرون) نے ہزاروں یہودی فوجیوں کے ہمراہ مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کی، جس پر مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا۔
۲۹ ستمبر ۲۰۰۰ء	نمازِ جمعہ کے بعد ایک روز پہلے ہونے والی مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کے خلاف ہزاروں مسلمانوں نے مظاہرہ کیا جس پر اسرائیلی فوج نے گولی چلا دی، اس کے نتیجے میں متعدد مسلمان شہید اور کئی زخمی ہو گئے، اور تب سے اب تک یہ احتجاجات جاری ہیں، جنھیں ''انتفاضۃ الاقصیٰ'' کا نام دیا گیا ہے اور ان میں اب تک سات سو سے زائد مسلمان شہید اور ہزاروں مسلمان زخمی ہو چکے ہیں!

چند شبہات اور ان کے جوابات

حضراتِ انبیاء کے ورثا کون؟ : یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ حضراتِ انبیاء (ابراہیم، اسحاق، یعقوب، داؤد اور سلیمان علیہم السلام) کے ورثا ہیں جو کہ سرزمینِ فلسطین پر مبعوث ہوئے، اس لئے فلسطین میں اقامت اور اس پر حکومت کرنے کا اختیار صرف انہی کا ہے' حالانکہ یہودی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ماننے سے انکار کیا، اور اس کی طرف اولاد کو منسوب کیا، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ عُزَيْرٌ ٱبْنُ ٱللَّهِ ﴾ (التوبۃ ۹/ ۳۰)

''یہود کا کہنا ہے کہ عزیر علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے۔''

لہٰذا اللہ کو وحدہ لاشریک نہ ماننے والے لوگ انبیاء کے ورثا کس طرح ہو سکتے ہیں!

اور جہاں تک خود انبیاء کا تعلق ہے تو یہودی انھیں انتہائی برے اوصاف سے یاد کرتے ہیں بلکہ ان پر تہمتیں اور بہتان بھی لگاتے ہیں، چنانچہ:

☆ یہودیوں کے نزدیک نوح علیہ السلام ایک نشہ باز اور مست آدمی تھے، اپنے گھر میں ننگے ہو جاتے تھے اور ان کے بیٹے انھیں دیکھ کر ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ (سفر التکوین الاصحاح ۹)

☆ اور لوط علیہ السلام کے متعلق یہود کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنی دو بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا تھا جس سے وہ حاملہ ہوگئی تھیں! (سفر التکوین: ۱۹-۳۰)

☆ اور جد الانبیاء ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ وہ ایک طمع پرست انسان تھے، اور سوائے مال ودولت جمع کرنے کے انھیں کوئی اور فکر نہیں تھی، اور مال ہی کے لالچ میں وہ اپنی خوبصورت بیوی تک بادشاہوں کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے! (سابقہ حوالہ)

☆ اور داؤد علیہ السلام کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنی فوج کے ایک شخص کی بیوی

سے زنا کیا تھا اور اپنے اس جرم کو چھپانے کے لیے انھوں نے الٹا اس عورت کے خاوند پر قتل کی تہمت لگا دی تھی!

☆ اور سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ آپ اسی عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جس سے داؤد علیہ السلام نے زنا کیا تھا!

تو یہودیوں نے ان انبیاءِ کرام علیہم السلام پر مذکورہ گھناؤنے الزامات لگائے، جن سے یقینی طور پر وہ بری ہیں اور ان کے متعلق ان جرائم کا تصور کرنا بھی درست نہیں ہے۔

پھر تیسری بات یہ ہے کہ یہودی ان انبیاء کے دین کو بھی تسلیم نہیں کرتے، کیونکہ سب کے سب نبیوں کا دین اسلام تھا، اور وہ دینِ اسلام ہی کی طرف اپنی امتوں کو دعوت دیتے رہے۔

خلاصۂ کلام: یہودیوں کا یہ دعویٰ کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں' کس طرح درست ہوسکتا ہے جبکہ وہ نہ اللہ کو وحدہ لاشریک مانتے ہیں اور نہ انبیاء کی رسالت کو تسلیم کرتے ہیں اور نہ ان کے دین پر ایمان لاتے ہیں! اور حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کے سچے ورثا تو وہ لوگ ہیں جو اللہ کو تمام عیوب ونقائص سے پاک اور انبیاء کو معصوم مانتے ہیں اور اسلام ہی کو اللہ کا دین تصور کرتے ہیں۔

کیا یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے ہیں؟: یہودیوں کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے اور انھی کے پیروکار ہیں، اور چونکہ ان کا لقب ''اسرائیل'' تھا اس لیے انھوں نے بھی اپنی مملکت کا نام ''اسرائیل'' رکھا ہے!

ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام مسلمان نبی تھے، اور انھوں نے اپنے بیٹوں کو بھی دینِ اسلام پر ہی قائم رہنے اور اسی پر مرنے کا حکم دیا تھا، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَوَصَّىٰ بِهَآ إِبْرَٰهِـۧمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَـٰبَنِىَّ إِنَّ ٱللَّهَ ٱصْطَفَىٰ لَكُمُ ٱلدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۱۳۲)

''اسی کی وصیت ابراہیم اور یعقوب (علیہما السلام) نے اپنی اولاد کو کی کہ اے ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے اس دین کو پسند فرمالیا ہے، خبردار! تم مسلمان ہی

مرنا‘‘۔

تو کیا یہودی مسلمان ہیں؟ جب وہ مسلمان نہیں تو وہ اپنے اس دعوے میں کیونکر حق بجانب ہو سکتے ہیں کہ وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل سے اور ان کے پیروکار ہیں؟

اور جہاں تک یہودی مملکت کے نام کا تعلق ہے تو یہ محض رائے عامہ کو گمراہ کرنے کے لیے ہے کیونکہ جس سرزمین پر ان کی یہ مملکت قائم کی گئی ہے وہ فلسطینی مسلمانوں سے چھینی گئی ہے، ان کی اپنی نہیں، اس لئے چھینی ہوئی زمین پر ''اسرائیل'' جیسے خوشنما نام کا اطلاق محض دھوکہ اور فراڈ ہے، اس کے سوا کچھ بھی نہیں۔

کیا سرزمین فلسطین کی وراثت کا اللہ نے یہودیوں سے وعدہ کیا تھا؟ یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اسے فلسطین اور اس کے اردگرد کی سرزمین کا' جس کی سرحدیں نیل سے فرات تک پھیلی ہوئی ہیں' مالک ووارث بنائے گا تاکہ یہاں پر وہ اپنا وطن قائم کر سکیں، چنانچہ توراۃ میں لکھا ہوا ہے:

«لِنَسْلِكَ أُعْطِيَ هٰذِهِ الأَرْضُ مِنْ نَّهْرِ مِصْرَ إِلَى النَّهْرِ الْكَبِيْرِ نَهْرِ فُرَاتٍ»(سفر يوشع الإصحاح ١٥ فقره:١٨)

''دریائے مصر (نیل) سے لیکر دریائے فرات تک کی سرزمین تیری نسل کو دے دی گئی ہے''۔

اور یہ دعویٰ بھی دوسرے دعووں کی طرح جھوٹا ہے کیونکہ:

➤ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے نہ نصرانی تھے، بلکہ وہ تو مسلمان تھے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِىُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ٦٧-٦٨)

''ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، بلکہ وہ تو مخلص مسلمان تھے، وہ مشرک بھی نہ تھے۔ تمام لوگوں میں ابراہیم سے نزدیک تر وہ لوگ ہیں جنھوں نے ان کا کہا مانا

اور (اسی طرح قربت میں) یہ نبی (محمد ﷺ) اور (یہ) مومن ہیں، اور مومنوں کا سہارا اللہ ہی ہے''۔

➤ اگر ہم یہود کا یہ دعویٰ بالفرض درست بھی تسلیم کر لیں تو تورات کے مطابق یہ وعدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس وقت کیا گیا تھا جب آپ کی اولاد میں صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، تو گویا یہ وعدہ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی نسل کے لیے تھا نہ کہ حضرت اسحاق علیہ السلام اور ان کی اولاد کے لیے کیونکہ وہ تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے، پس اس سے ثابت ہوا کہ اس وعدے کے اصل مستحق عرب ہیں نہ کہ یہودی!

➤ تورات میں اس وعدے کے متعلق یہ بھی موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ وعدہ حضرت اسحاق علیہ السلام سے، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام سے، اور پھر حضرت داؤد علیہ السلام سے کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ یہودیوں کا اپنا گھڑا ہوا ہے، جس کا مقصد حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی نسل کو سرزمینِ فلسطین سے لاتعلق ثابت کرنا اور یہ جتانا ہے کہ اس کے حقدار صرف یہودی ہیں۔

➤ پوری دنیا میں اب جتنے یہودی موجود ہیں یہ سرے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں ہی نہیں کیونکہ تاریخی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ان کی بنیاد مختلف النسل اقوام ہیں اور ان میں ۹۲ فیصد لوگ وہ ہیں جو مشرقی یورپ میں رہائش پذیر تھے، انھوں نے ۷۲۰ء میں اپنے آپ کو یہودی کہلانا شروع کر دیا تھا، اور خود ان کی کتاب ''العہد القدیم'' (Old Testament) کے مطابق ان کے آباؤ اجداد سرزمینِ فلسطین پر کبھی آئے ہی نہ تھے۔

➤ موجودہ دور کے یہودیوں کا دعویٰ ہے کہ ان کا تعلق پرانے بنو اسرائیل سے ہے، یہ بھی ایک جھوٹا دعویٰ ہے کیونکہ پہلی اور دوسری صدی عیسوی میں رومیوں نے بنو اسرائیل کی نسل کشی کی مہم میں انھیں نیست و نابود کر دیا تھا، اور ان میں جو باقی بچ گئے تھے انھوں نے نصرانی مذہب اختیار

کرلیا تھا، یا وہ بچ بچا کر سوریا، مصر اور شمالی افریقہ میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ اسلام کے آنے کے بعد ان کی اکثریت نے اسلام قبول کرلیا تھا، اور عرب لوگوں میں گھل مل گئے تھے، اور ان میں جو لوگ یورپ وغیرہ میں چلے گئے تھے وہ بھی وہاں رہنے والی مختلف النسل قوموں میں مختلط ہو گئے تھے، اس لیے یہ کہنا بالکل بے جا ہے کہ ان کا خون بنو اسرائیل کا اصلی خون ہے۔

➤ ہم مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ بیت المقدس اور فلسطین کی سرزمین ہماری ہے، کیونکہ یہاں انبیاءِ کرام مبعوث ہوئے جن کا دین اسلام تھا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سرزمین انبیاء اور ان کے پیروکاروں کے لیے ہی ہے۔

➤ قرآن مجید میں حضرت محمد ﷺ کے واقعہ معراج کا ذکر کیا گیا ہے، اور یہ کہ آپ ﷺ کو مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی گئی، تو بیت المقدس میں آپ ؐ کی آمد اور اسے ''مسجد اقصیٰ'' کے نام سے موسوم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سرزمین آنحضور ﷺ کے متبعین کی ہے کیونکہ مسجد کا تصور صرف مسلمانوں کے ہاں ہے یہودیوں کے ہاں نہیں ہے۔

<u>کیا مسجد اقصیٰ ''ہیکل سلیمانی'' کی جگہ پر بنائی گئی ہے؟:</u> یہودیوں کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ کو ''ہیکل سلیمانی'' کی جگہ پر تعمیر کرلیا ہے، اس لئے اسے گرا کر دوبارہ ہیکل کی تعمیر ضروری ہے!

ان کا یہ دعویٰ بھی جھوٹ اور من گھڑت کہانیوں پر مبنی ہے کیونکہ مسجد اقصیٰ جس جگہ واقع ہے اس کا تقدس تو حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہے، یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کی آمد سے بھی پہلے یہ جگہ مقدس سمجھی جاتی تھی، اس لیے اس کے متعلق یہ باور کرانا کہ اس جگہ کا تقدس ہیکل کی وجہ سے ہے بالکل غلط ہے۔ اور قرآنِ مجید نے بھی اسے ''مسجد'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ''ہیکل'' کے لفظ سے نہیں۔ نیز خود حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی ''مسجد'' ہی کی تجدید کی تھی، ہیکل نام کی کوئی چیز نہیں بنائی تھی، جیسا کہ صحیح روایات میں یہ بات موجود ہے، اور حقیقت یہ ہے

کہ ''ہیکل'' کے متعلق تمام خرافات تحریف شدہ تورات سے آئی ہیں جن کی قطعاً کوئی سند نہیں۔

کیا یہودی اللہ کی پسندیدہ قوم ہیں؟: یہودی ایک دعویٰ یہ بھی کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ قوم ہیں، اس لئے پوری دنیا پر حکمرانی کرنے کا حق صرف انہی کا ہے، نیز ان کے علاوہ جتنی قومیں موجود ہیں وہ سب کی سب یہودیوں کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں!

اس دعوے کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر کسی قوم کو دوسری قوم پر فضیلت نہیں دی، بلکہ تمام اقوام اپنی اصل کے اعتبار سے ایک جیسی ہیں، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ﴿١٢﴾ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿١٣﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ﴿١٤﴾ ﴾ (المؤمنون٢٣/ ١٢۔١٤)

''یقیناً ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا، پھر اسے نطفہ بنا کر محفوظ جگہ میں قرار دے دیا۔ پھر نطفہ کو ہم نے جما ہوا خون بنا دیا، پھر اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنا دیا، پھر گوشت کے ٹکڑے کو ہڈیاں بنا دیا۔ پھر ہڈیوں کو ہم نے گوشت پہنا دیا، پھر دوسری بناوٹ میں اس کو پیدا کر دیا۔ برکتوں والا ہے وہ اللہ جو سب سے بہترین پیدا کرنے والا ہے''۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ نے تمام انسانوں کو مٹی سے پیدا کیا ہے، ایسا نہیں کہ کسی کو مٹی سے، کسی کو پیتل سے، کسی کو سیسے سے، کسی کو چاندی سے اور کسی کو سونے سے پیدا کیا ہو، اور اللہ کے ہاں اگر کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل ہے تو وہ محض تقویٰ کی بنیاد پر ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ﴾ (الحجرات٤٩/ ١٣)

''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے، اور ہم نے تمھارے

کنبے اور قبیلے بنا دیے تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے“۔

اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ اس نے بنو اسرائیل کو ان کے زمانے میں دوسروں پر فضیلت اس لئے دی تھی تا کہ وہ اللہ کے احکامات کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دیں اور اس کے فرمانبردار بندے بن جائیں، چنانچہ یہ فضیلت کسی خاص نسل یا خاص رنگ کی بنا پر ہرگز نہ تھی بلکہ یہ ان کے لیے ایک آزمائش تھی کہ کیا وہ اس نعمت پر اللہ کے شکرگزار بندے بنتے ہیں یا ناشکری کرتے ہیں! فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَقَدِ اخْتَرْنَاهُمْ عَلَىٰ عِلْمٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٢﴾ وَآتَيْنَاهُم مِّنَ الْآيَاتِ مَا فِيهِ بَلَاءٌ مُّبِينٌ ﴿٣٣﴾ ﴾ (الدخان ٤٤/ ٣٢-٣٣)

”اور ہم نے دانستہ طور پر بنو اسرائیل کو دنیا جہان والوں پر فوقیت دی، اور ہم نے انھیں ایسی نشانیاں دیں جن میں واضح آزمائش تھی“۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ”فضیلت“ اور ”آزمائش“ دونوں کو جمع کر دیا ہے، جس کا مقصد بالکل واضح ہے کہ اگر انھیں ان کے زمانے کے لوگوں پر فوقیت دی گئی تھی تو وہ محض ان کی آزمائش کے لیے تھی، تو کیا وہ اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے تھے؟

قرآن مجید کے علاوہ خود ان کی اپنی کتابیں بھی شاہد ہیں کہ یہ لوگ اس آزمائش میں بری طرح ناکام ہوئے۔ انھوں نے اللہ کے دین کو تبدیل کر ڈالا، وحیِ الٰہی میں جھوٹ اور خرافات کو شامل کر دیا اور اللہ کے ہر حکم کی نافرمانی کی، اس کے نتیجے میں ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوا اور یہ اس کی لعنت کے مستحق ٹھہرے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾ ﴾ (البقرة ٢/ ٦١)

''اور ان پر ذلت و مسکنت کو مسلط کر دیا گیا، اور وہ اللہ کا غضب لیکر لوٹے، یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے، اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ محض ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے''۔

اور قرآن مجید نے ان کے اس دعوے کا جواب دو طرح سے دیا ہے:

ایک یہ کہ اگر یہ لوگ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو انھیں موت کی تمنا کرنی چاہیے، تا کہ یہ اس بہترین انجام کو پہنچ جائیں جو اللہ نے اپنے پسندیدہ لوگوں کے لیے لکھ رکھا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ قُلْ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ هَادُوٓا۟ إِن زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَآءُ لِلَّهِ مِن دُونِ ٱلنَّاسِ فَتَمَنَّوُا۟ ٱلْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَٰدِقِينَ ۝٦ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُۥٓ أَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۚ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِٱلظَّٰلِمِينَ ۝٧ ﴾ (الجمعة ٦٢/ ٦-٧)

''کہہ دیجیے: اے یہودیو! اگر تمھارا دعویٰ ہے کہ دوسرے لوگوں کے سوا تم ہی اللہ کے دوست ہو تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ یہ تو موت کی تمنا نہیں کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو انھوں نے اپنے آگے اپنے ہاتھوں بھیج رکھے ہیں، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے''۔

دوسرا یہ کہ اگر یہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ذرا یہ تو بتائیں کہ ان کے کرتوتوں کی پاداش میں اللہ تعالیٰ انھیں عذاب کیوں دیتا رہا ہے؟ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ وَٱلنَّصَٰرَىٰ نَحْنُ أَبْنَٰٓؤُا۟ ٱللَّهِ وَأَحِبَّٰٓؤُهُۥ ۚ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُم بِذُنُوبِكُم ۖ بَلْ أَنتُم بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۚ ﴾

(المائدۃ ٥/ ١٨)

''یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ پھر تمھیں تمھارے گناہوں کے سبب اللہ عذاب کیوں دیتا ہے؟ نہیں، بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک قوم ہو۔ وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے

عذاب دیتا ہے''۔

اور جہاں تک اللہ کا یہ فرمان ہے:

﴿ يَٰبَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ٱذۡكُرُواْ نِعۡمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَأَنِّي فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ ﴿٤٧﴾ ﴾ (البقرۃ ٢/ ٤٧)

''اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی، اور میں نے تمھیں تمام جہانوں پر فضیلت دی۔''

تو اس میں فضیلت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فرعون اور اس کی فوج پر فوقیت دی تھی، کیونکہ وہ ظالم تھے اور یہ مظلوم، تو اللہ نے مظلوموں کی مدد کی اور ان پر نعمتوں کی بارش کی، لیکن جب انھوں نے انعاماتِ الٰہیہ پر ناشکری بلکہ سرکشی کا مظاہرہ کیا تو ان سے یہ فضیلت چھن گئی اور ہمیشہ کے لیے ان پر ذلت مسلط کر دی گئی۔

بیت المقدس کیسے آزاد ہوگا؟: سرزمینِ فلسطین پر اس وقت جو معرکہ عربوں اور یہودیوں کے درمیان برپا ہے یہ محض زمین کا جھگڑا نہیں، بلکہ کفر و ایمان، حق و باطل اور اسلام اور یہودیت کے درمیان کھلی جنگ ہے، اس میں فتحیاب ہونے کے لیے مسلمانوں کو درجِ ذیل وسائل اختیار کرنے چاہییں:

١- دینی تعلیمات پر سختی سے عمل کیا جائے: اللہ تعالیٰ نے متعدد قرآنی آیات میں مسلمانوں کی مدد کرنے اور کافروں کو ہلاک کرنے کا وعدہ کیا ہے، اور اللہ اپنے وعدوں میں سو فیصد سچا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تَنصُرُواْ ٱللَّهَ يَنصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ أَقۡدَامَكُمۡ ﴿٧﴾ ﴾ (محمد ٤٧/ ٧)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمھاری مدد کرے گا، اور تمھیں ثابت قدم رکھے گا۔''

نیز فرمایا:

﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٤٧﴾ ﴾ (الروم ۳۰/ ۴۷)

''ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے''۔

اور فرمایا:

﴿ وَإِن تَصْبِرُوا۟ وَتَتَّقُوا۟ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ﴾ (آل عمران۳/ ۱۲۰)

''تم اگر صبر کرو اور پرہیز گار بن جاؤ تو ان کی سازش تمھیں کوئی نقصان نہ دے گی''۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی مدد کرنے کا وعدہ کیا ہے، چاہے ان کے دشمن کتنے طاقتور اور تعداد میں کتنے زیادہ کیوں نہ ہوں، کیونکہ اللہ سب سے طاقتور ہے اور اس پر کوئی طاقت غالب نہیں آسکتی ،لیکن فتح ونصرت کے لیے بنیادی شرط سچا ایمان ، دین پر استقامت ،صبر وتحمل اور پرہیز گاری ہے ،اگر مسلمان اس شرط کی پابندی کرلیں اور مخلص ہوکر دین اسلام کو تھام لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ فتح ونصرت کا اپنا وعدہ پورا نہ کرے۔

ایک اور آیت میں اللہ رب العزت نے مسلمانوں کے غلبے کے لیے کچھ شرائط یوں بیان کی ہیں:

﴿ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّـٰلِحَـٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ كَمَا ٱسْتَخْلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ ٱلَّذِى ٱرْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِى لَا يُشْرِكُونَ بِى شَيْـًٔا ﴾

(النور۲۴/ ۵۵)

''تم میں سے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں، اور نیک اعمال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کرچکا ہے کہ انھیں ضرور زمین پر خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے، اور یقیناً ان کے لیے ان کے اُس دین کو مضبوطی کے ساتھ مستحکم کرکے جما دے گا جسے ان کے لیے وہ پسند فرما چکا ہے، اور ان کے اس خوف وخطر کو وہ امن وامان سے بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کرتے ہیں، اور میرے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہراتے ہیں''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انھیں زمین کی خلافت کا موقع عطا فرمائے گا، ان کے دین کو قوت وغلبہ نصیب کرے گا اور ان کے خوف وخطر کو امن وسلامتی میں بدل دے گا، لیکن یہ سب کچھ تین شرائط کے ساتھ مشروط ہے: ایمان، عملِ صالح، اور توحید۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب مسلمان ان شرائط پر پورے اترے تب اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرتا رہا، چنانچہ صدیوں تک زمین کی خلافت ان کے پاس رہی، دینِ اسلام کا بول بالا رہا اور مسلمان مکمل طور پر پرامن اور باسلامت رہے، لیکن جونہی مسلمانوں نے اپنے ایمان کا سودا کر لیا، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اپنا دامن سیاہ کرلیا اور توحید کو چھوڑ کر شرک جیسے موذی مرض میں مبتلا ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے تائید ونصرت واپس لے لی اور ان پر رسوائی اور ذلت کے بادل چھا گئے۔ اور اب بھی مسلمان اگر اپنے شاندار ماضی کی طرف لوٹ آئیں اور آیت میں مذکورہ شرطوں کو پورا کردیں تو یقینی طور پر فتح انھی کی ہوگی۔ اور اس آیت کی روشنی میں مسلمانوں کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ کفار پر غلبے کا راستہ وہی ہے جو اللہ نے بیان کردیا ہے، اسے چھوڑ کر اگر کسی اور راستے سے فتح حاصل کرنے کی کوشش کی گئی تو ذلت ورسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا، جیسا کہ اب تک ہوتا آیا ہے۔

۲- __برائیوں سے پرہیز کیا جائے :__ برائیاں سب کی سب مصیبت ہیں اور ان کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے، اس لیے دشمن کے خلاف جنگ کرنے سے پہلے ان برائیوں کے خلاف جہاد کرنا ضروری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کے ایک سپہ سالار حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو ایک خط میں لکھا تھا:

''**اما بعد......** میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دیتا ہوں، کیونکہ اللہ کا ڈر دشمن کے خلاف سب سے بڑا ہتھیار اور جنگ میں سب سے بڑی چال ہے۔ اور میں آپ کو اور آپ کی فوج کے ایک ایک مجاہد کو حکم دیتا ہوں کہ برائیوں سے

اپنے دشمن سے بھی زیادہ ڈرتے رہیں، کیونکہ گناہ دشمن سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتے ہیں، اور یہ بات یاد رکھیں کہ مسلمان ہمیشہ اس لیے فتحیاب ہوتے رہے ہیں کہ ان کا دشمن اللہ کا نافرمان تھا، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم ان کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ ہوتے، کیونکہ ہماری تعداد ان سے کہیں کم اور ہماری فوجی طاقت ان کی نسبت کہیں کمزور تھی، تو اگر آج ہم بھی انھی کی طرح برائیاں کرنے لگ جائیں تو ہم میں اور ان میں فرق نہیں رہے گا، اور یوں وہ ہم پر فتح حاصل کرلیں گے۔" (اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء: ٦٠)

تو مجاہدین پر لازم ہے کہ وہ انتہائی اخلاص کے ساتھ جہاد کریں اور دشمن پر فتح حاصل کرنے کی غرض سے اللہ رب العزت سے مدد طلب کریں، اور اس بات کو ہمیشہ مدنظر رکھیں کہ انھیں دو میں سے ایک نیکی ہر حال میں حاصل کرنی ہے، یا دشمن پر فتح حاصل کر کے علمِ اسلام بلند کرنا ہے یا شہادت پاکر جنت کی نعمتوں کے مزے لوٹنے ہیں۔

اور یہ بات بھی یاد رکھیں کہ جنگِ احد میں جب مسلمانوں کو ایک بہت بڑی آزمائش سے دوچار ہونا پڑا تھا تو اس کا سبب ان میں سے بعض کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا ارتکاب کرنا تھا، اور جب انھوں نے اس آزمائش پر حیرت کا اظہار کیا تھا تو اللہ نے انھیں یہ جواب دیا تھا:

﴿أَوَلَمَّآ أَصَٰبَتۡكُم مُّصِيبَةٌ قَدۡ أَصَبۡتُم مِّثۡلَيۡهَا قُلۡتُمۡ أَنَّىٰ هَٰذَاۖ قُلۡ هُوَ مِنۡ عِندِ أَنفُسِكُمۡۗ﴾ (آل عمران ٣/ ١٦٥)

"جب تمھیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم (کفار کو) اس جیسی دو چند پہنچا چکے تو تم کہنے لگے: یہ کہاں سے آگئی؟ آپ کہہ دیجیے: یہ خود تمھاری طرف سے ہے"۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جنگِ حنین میں جب مسلمان اپنی کثرت پر نازاں ہوئے تو انھیں شکست کا منہ دیکھنا پڑا' پھر جب انھوں نے اللہ سے مدد طلب کی تو انھیں دشمنانِ اسلام پر فتح نصیب ہوئی۔

خلاصہ یہ ہے کہ مجاہدین کو تکبر، ریا کاری اور دیگر تمام برائیوں سے اجتناب کرنا چاہیے، نیز باہمی اختلاف اور سپہ سالارِ فوج کی نافرمانی سے بھی بچنا چاہیے جب تک وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم نہ دے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَٱثْبُتُواْ وَٱذْكُرُواْ ٱللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَنَٰزَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَٱصْبِرُوٓاْ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُونُواْ كَٱلَّذِينَ خَرَجُواْ مِن دِيَٰرِهِم بَطَرًا وَرِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ ﴾

(الأنفال/ ۸ ۴۵۔۴۷)

''اے ایمان والو! جب تم کسی مخالف فوج سے بھڑ جاؤ تو ثابت قدم رہو، اور بکثرت اللہ کو یاد کرو، تاکہ تمھیں کامیابی حاصل ہو، اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو، اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی، اور صبر کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور ان لوگوں جیسے نہ بنو جو اتراتے ہوئے اور لوگوں میں خود نمائی کرتے ہوئے اپنے گھروں سے چلے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے''۔

۳۔ قوت تیار کی جائے: مسلمانوں کو دشمنوں کے خلاف طاقت تیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا ٱسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ ٱلْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِۦ عَدُوَّ ٱللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ (الأنفال/ ۸ ۶۰)

''تم ان کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت کے مطابق قوت اور گھوڑوں کو تیار رکھنے کی تیاری کرو، جس سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو خوفزدہ رکھ سکو''۔

طاقت کے مطابق قوت کی تیاری میں مؤثر منصوبہ بندی، معنوی استعداد اور فوجی تیاری سب شامل ہیں، کیونکہ دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنی فوج کو نفسیاتی اعتبار

سے تیار کرنا ضروری ہے، اور یہ اس وقت ہوگا جب فوج کا ایک ایک فرد اللہ کا فرمانبردار بندہ ہوگا، اور اعلائے کلمۃ اللہ اس کا مقصدِ حیات ہوگا۔ تاریخِ اسلام ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے جو اس بات کی دلیل ہیں کہ مسلمان ہمیشہ اسی نفسیاتی استعداد اور دین پر استقامت کی بدولت فتح یاب ہوتے رہے ہیں، ورنہ ان کے پاس اتنے فوجی وسائل نہ تھے جتنے آج مسلمانوں کے پاس موجود ہیں، اس لئے اس دور کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ مسلمان فوج کی دینی تربیت کا اہتمام کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق فوجی استعداد بھی حاصل کی جائے۔

٤- سابقہ غلطیاں پھر نہ دہرائی جائیں : مسئلۂ فلسطین کے منصفانہ حل کے سلسلے میں مسلمانوں نے شروع سے لے کر اب تک کئی غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے جن کی وجہ سے یہ مسئلہ جوں کا توں لٹکا ہوا ہے بلکہ اس کی سنگینی اور خطرات میں اور اضافہ ہوا ہے۔ اب اس سے پہلے کہ کوئی بڑی مصیبت واقع ہو، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ سابقہ غلطیاں دہرانے سے پرہیز کریں۔

ان غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ اس معرکے میں مسلمانوں کو اخلاص، قربانی اور جذبۂ شہادت نظر انداز کر کے، محض قومیت کا نعرہ لگا کر یہودیوں سے جنگ کے لیے اکسایا گیا، بالفاظِ دیگر یہ جنگ اسلام کی خاطر نہیں بلکہ قومیت کے دفاع میں لڑی گئی۔ اس کا نتیجہ مسلمانوں کی ذلت وخواری اور شکست کی صورت میں سامنے آیا، ورنہ اگر یہ جنگ اخلاص کے ساتھ اور جذبۂ شہادت سے سرشار ہو کر اور محض اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر لڑی جاتی تو یقیناً اس کا نتیجہ کچھ اور ہوتا۔

اور دوسری غلطی یہ کی گئی کہ مسئلۂ فلسطین صرف عربوں کا مسئلہ قرار دیا گیا اور عربوں کے سوا دوسرے مسلمانوں کو اس سے دور رکھا گیا، حالانکہ سرزمینِ فلسطین سارے مسلمانوں کی مشترکہ سرزمین ہے، اور مسجد اقصیٰ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے یکساں طور پر لائقِ احترام ہے، اور یہاں جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور مجاہدین کا خون بہا ہے ان کے ورثا محض عرب نہیں، بلکہ

سب کے سب مسلمان ہیں، لہٰذا عربوں کو چاہیے کہ وہ اس مسئلے کے حل کے لیے پورے عالمِ اسلام کو ساتھ لے کر چلیں، اور عالمِ اسلام پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنے قبلۂ اول کو بچانے کے لیے بھرپور کردار ادا کرے اور ان مظلوموں کی مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہو جو یہودیوں کے مظالم کی چکی تلے پس رہے ہیں، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَإِنِ ٱسْتَنصَرُوكُمْ فِى ٱلدِّينِ فَعَلَيْكُمُ ٱلنَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَٰقٌ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧٢﴾ ﴾ (الأنفال ٨/ ٧٢)

''اور اگر وہ تم سے دینی معاملے میں مدد طلب کریں تو تم پر مدد کرنا ضروری ہے سوائے ان لوگوں کے کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہو اور اللہ تمھارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے''۔

ایک اور غلطی جسے اب تک بار بار دہرایا جاتا رہا ہے وہ یہ ہے کہ عرب ہمیشہ امریکہ اور یورپین ممالک کے سامنے اسرائیلی زیادتیوں کا رونا روتے ہیں، اور شاید وہ گمان کرتے ہیں کہ یہ ممالک ظالم کو ظلم سے روک کر مظلوموں کا ساتھ دیں گے! حالانکہ عربوں کو یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہے کہ صدیوں سے یہ ممالک بے گناہ لوگوں کا قتلِ عام کر رہے ہیں، اور انھوں نے کمزوروں کا جینا حرام کر رکھا ہے، اور اس کی سب سے بڑی دلیل بوسنیا، کوسووا اور چیچنیا وغیرہ ہیں جہاں لاکھوں مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی اور انسانیت سوز سلوک کی بدترین مثالیں قائم کی گئیں، اس سب کے باوجود ان ممالک سے فلسطین کے حق میں تائید و نصرت کی امید رکھنا یقینی طور پر باعثِ حیرت ہے! اور جہاں تک امریکہ بہادر کا تعلق ہے تو یہ بات پوری دنیا جانتی ہے کہ اسرائیل کی پشت پناہی کرنے اور اسے خطرناک اسلحہ اور بھرپور مالی امداد مہیا کرنے میں امریکہ سب سے آگے ہے، اسرائیل کو وجود میں لانے والا امریکہ، پھر اس کی پرورش کرنے والا امریکہ، پھر اس کی اقتصادی، سیاسی اور فوجی مدد کرنے والا امریکہ! کیا اس سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ وہ اس مسئلے میں انصاف پسندی سے کام لے گا؟ اور عربوں کو ان کا حق دلانے میں ان کا ساتھ دے گا؟ ایں خیال است و محال است و جنوں است۔ اس لیے کفار کے ساتھ دوستی

کی پینگیں بڑھانے کی بجائے اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات بہتر بنائے جائیں اور ان کی بے پناہ مالی وافرادی طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہودیوں کے خلاف ایسے مؤثر اقدامات کیے جائیں کہ وہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائیں۔

ایک اور غلطی یہ کی گئی کہ اسرائیل کے ساتھ امن مذاکرات کا ڈول ڈالا گیا، اور متعدد بار عالمی طاقتوں کی موجودگی میں کئی امن معاہدوں پر دستخط بھی ہوئے، لیکن اسرائیل نے ہمیشہ غداری کی اور ان معاہدوں کا منہ چڑایا۔

اور پھر ایک پہلو یہ بھی غور طلب ہے کہ مذاکرات میں ہمیشہ اسرائیل کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ فلسطینی ''شدت پسندانہ اور جارحانہ کارروائیاں'' بند کر دیں، جبکہ اسرائیلی خود غاصب اور ظالم ہیں، اور فلسطینیوں کا احتجاج انہی کے سفاکانہ اقدامات کے نتیجے میں سامنے آتا ہے، لیکن اسرائیل اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کر کے اور مذاکرات کا ڈھونگ رچا کر ہمیشہ دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے میں کامیاب ہو جاتا ہے، اور ہم وہیں کے وہیں رہ جاتے ہیں۔

اور ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ظالم اور غاصب اسرائیل کے ساتھ مذاکرات کر کے گویا ہم نے بالواسطہ طور پر سرزمینِ فلسطین پر یہودیوں کا حق تسلیم کر لیا ہے، حالانکہ وہ تو باہر سے آکر اور عربوں سے ان کی زمینیں چھین کر یہاں آباد ہوئے ہیں، تو ان سے مذاکرات کرنا چہ معنی دارد؟

خلاصہ یہ کہ امن مذاکرات کی بجائے اسرائیل اور اس کی پشت پناہی کرنے والوں کو صاف لفظوں میں تنبیہ کر دینی چاہیے کہ سرزمینِ فلسطین کی ایک بالشت پر بھی ان کا کوئی حق نہیں ہے، اور جب تک وہ مقبوضہ علاقوں کو خالی نہیں کرتے اور نو تعمیر شدہ یہودی بستیوں کو ختم نہیں کرتے، اور جب تک پورے بیت المقدس سے یہودی پلید نکل نہیں جاتے تب تک ان سے مذاکرات ناممکن ہیں۔

یہاں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی مرحوم کی ایک بہت اہم تحریر کا اقتباس پیش کرنا موزوں

معلوم ہوتا ہے جس میں انھوں نے مسئلہ فلسطین کا واحد ممکن حل تجویز کیا تھا۔ مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

اصل مسئلہ محض مسجد اقصیٰ کی حفاظت کا نہیں ہے۔ مسجد اقصیٰ محفوظ نہیں ہو سکتی جب تک بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے اور خود بیت المقدس بھی محفوظ نہیں ہو سکتا جب تک فلسطین پر یہودی قابض ہیں۔ اس لیے اصل مسئلہ یہودیوں کے غاصبانہ تسلط سے فلسطین کو آزاد کرانے کا ہے اور اس کا سیدھا اور صاف حل یہ ہے کہ اعلان بالفور سے پہلے جو یہودی فلسطین میں آباد تھے صرف وہی وہاں رہنے کا حق رکھتے ہیں، باقی جتنے یہودی ۱۹۱۷ء کے بعد سے اب تک وہاں باہر سے آئے اور لائے گئے ہیں، انھیں واپس جانا چاہیے۔ ان لوگوں نے سازش اور جبر و ظلم کے ذریعے سے ایک دوسری قوم کے وطن کو زبردستی اپنا قومی وطن بنایا، پھر اسے قومی ریاست میں تبدیل کیا اور اس کے بعد توسیع کے جارحانہ منصوبے بنا کر آس پاس کے علاقوں پر قبضہ کرنے کا نہ صرف عملاً ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا بلکہ اپنی پارلیمنٹ کی پیشانی پر علانیہ یہ لکھ دیا کہ کس کس ملک کو وہ اپنی اس جارحیت کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ ایسی ایک کھلی کھلی جارح ریاست کا وجود بجائے خود ایک جرم اور بین الاقوامی امن کے لیے خطرہ ہے، اور عالم اسلامی کے لیے اس سے بھی بڑھ کر وہ اس بنا پر خطرہ ہے کہ اس کے ان جارحانہ ارادوں کا ہدف مسلمانوں کے مقامات مقدسہ ہیں۔ اب اس ریاست کا وجود برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس کو ختم ہونا چاہیے۔ فلسطین کے اصل باشندوں کی ایک جمہوری ریاست بننی چاہیے جس میں ملک کے پرانے یہودی باشندوں کو بھی عرب مسلمانوں اور عیسائیوں کی طرح شہری حقوق حاصل ہوں اور باہر سے آئے ہوئے ان غاصبوں کو نکل جانا چاہیے جو زبردستی اس ملک کو اپنا قومی وطن اور پھر قومی ریاست بنانے کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اس کے سوا فلسطین کے مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ رہا امریکہ جو اپنا ضمیر یہودیوں کے ہاتھ رہن رکھ کر اور تمام اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر ان غاصبوں کی حمایت کر رہا ہے تو

اب وقت آ گیا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان اس کو صاف صاف خبردار کر دیں کہ اگر اس کی یہ روش اسی طرح جاری رہی تو روئے زمین پر ایک مسلمان بھی وہ ایسا نہ پائے گا جس کے دل میں اس کے لیے کوئی ادنیٰ درجہ کا بھی جذبۂ خیر سگالی باقی رہ جائے۔ اب وہ خود فیصلہ کر لے کہ اسے یہودیوں کی حمایت میں کہاں تک جانا ہے۔ (ترجمان القرآن' ستمبر ۱۹۶۹ء)

یہودیوں کے عبرتناک انجام کے متعلق قرآن وسنت میں خوشخبری: یہودی خواہ کتنی بڑی اقتصادی اور فوجی طاقت اکٹھی کیوں نہ کر لیں، آخر کار ان کا انجام تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ ''ہٹلر'' نے ساری دنیا پر غالب آنے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن اس کا انجام خودکشی کی شکل میں سامنے آیا، اور اس سے بہت پہلے فرعون نے بھی ''أنا ربکم الأعلٰی'' کا دعویٰ کیا تھا لیکن وہ بھی اپنی فوج سمیت غرقِ آب ہوا۔ اسی طرح قارون، ہامان اور نمرود جیسے سرکش و جابر حکمران بھی اللہ کی پکڑ سے نہ بچ سکے، اور کچھ ایسا ہی انجام یہودیوں کا بھی ہونے والا ہے، فرمان الٰہی ہے:

﴿ تِلْكَ ٱلدَّارُ ٱلْـَٔاخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۚ وَٱلْعَـٰقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٨٣﴾ ﴾ (القصص ۲۸/ ۸۳)

''آخرت کا یہ بھلا گھر ہم انہی کے لیے مقرر کر دیتے ہیں جو زمین میں بڑائی اور فساد کی چاہت نہیں رکھتے، اور عمدہ انجام تو پرہیزگاروں کے لیے ہی ہے''۔

اس آیت میں اچھے انجام کی خوشخبری صرف پرہیزگاروں کو دی گئی ہے، اور یہ صفت یہودیوں میں قطعاً نہیں پائی جاتی، بلکہ اس کے برعکس وہ تو مجرم قوم ہیں، اللہ کی کتاب میں تحریف کرنے والے، عورتوں اور بچوں کے قاتل، اور وعدوں اور معاہدوں کو توڑنے والے ہیں، تو ان صفات کے حامل لوگوں کا انجام یقیناً برا ہی ہوگا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى ٱلزَّبُورِ مِنۢ بَعْدِ ٱلذِّكْرِ أَنَّ ٱلْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ ٱلصَّـٰلِحُونَ ﴿١٠٥﴾ ﴾ (الأنبياء ۲۱/ ۱۰۵)

''ہم زبور میں پند و نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے''۔

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ امتِ مسلمہ اگر تقویٰ اور نیکی کی راہ اختیار کر لے تو فتح ونصرت اس کے قدم چومے گی اور زمین کی وارث بھی وہی ہو گی۔

اور ہمارے خیال میں سرزمینِ فلسطین پر یہودیوں کا اکٹھ شاید اس لیے ہے کہ مسلمانوں کے لیے انھیں نیست و نابود کرنا آسان ہو جائے اور اس میں اللہ کی وہ تقدیر کارفرما ہے جس کے مطابق یہودی ایک بہت بڑی تباہی و بربادی سے دوچار ہونے والے ہیں، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَقَضَيْنَآ إِلَىٰ بَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ فِى ٱلْكِتَٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى ٱلْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿٤﴾ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ أُولَىٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ أُو۟لِى بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا۟ خِلَٰلَ ٱلدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿٥﴾ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ ٱلْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَٰكُم بِأَمْوَٰلٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿٦﴾ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ ٱلْءَاخِرَةِ لِيَسُۥٓـُٔوا۟ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا۟ ٱلْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا۟ مَا عَلَوْا۟ تَتْبِيرًا ﴿٧﴾ ﴾ (بني اسرائيل ١٧/ ٤-٧)

''ہم نے بنو اسرائیل کے لیے ان کی کتاب میں صاف فیصلہ کر دیا تھا کہ تم زمین میں دو بار فساد برپا کرو گے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کرو گے۔ ان دونوں وعدوں میں سے پہلے کے آتے ہی ہم نے تمھارے مقابلے میں اپنے بندے بھیج دیے جو بڑے ہی لڑاکے تھے، پس وہ تمھارے گھروں کے اندر تک پھیل گئے اور اللہ کا یہ وعدہ پورا ہونا ہی تھا، پھر ہم نے ان پر تمھیں غلبہ دے کر تمھارے دن پھیرے اور مال و اولاد سے تمھاری مدد کی، اور تمھیں بڑے جتھے والے بنا دیا۔ اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدہ کے لیے، اور اگر تم نے برائیاں کیں تو بھی اپنے ہی لیے، پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تا کہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دیں اور پہلی دفعہ کی طرح پھر اس مسجد

میں گھس جائیں، اور جس جس چیز پر قابو پائیں توڑ پھوڑ کر جڑ سے اکھاڑ دیں۔"

ان آیات میں ﴿عِبَادًا لَّنَا﴾...... ہمارے بندوں...... کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ہاتھوں یہودیوں کی تباہی و بربادی کا اللہ نے فیصلہ فرمایا ہے' اللہ کے ان بندوں سے مراد کون ہیں؟ اس کی وضاحت رسول اکرم ﷺ کی اس حدیث سے ہوتی ہے:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتَّى يَخْتَبِيءَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْحَجَرِ أَوِ الشَّجَرِ فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ: يَا مُسْلِمُ! يَا عَبْدَاللهِ! هٰذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي، فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ، إِلَّا الْغَرْقَدَ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ»(صحيح مسلم، الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر الرجل ... الخ، ح:٢٩٢٢)

"قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک مسلمانوں کی یہودیوں سے جنگ نہ ہو جائے جس میں مسلمان انھیں قتل کریں گے، حتی کہ ایک یہودی اگر کسی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپ کر پناہ بھی لے گا تو وہ پتھر اور درخت پکار کر کہے گا: اے مسلمان! اے اللہ کے بندے! یہ میرے پیچھے یہودی چھپا ہوا ہے، آ اور اسے قتل کر دے، سوائے غرقد درخت کے کہ وہ یہودیوں کا درخت ہے۔"

اور یہودیوں کا یہ عبرتناک انجام ابھی تک نہیں ہوا ہے، اور شاید اب اس کا وقت قریب آ رہا ہے! واللہ اعلم۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہودیوں کو حدیث رسول ﷺ کی صداقت کا اس قدر یقین ہے کہ وہ اسرائیل میں غرقد کے درخت بکثرت لگاتے ہیں۔ کاش مسلمانوں کو بھی ایسا ہی یقین ہو!

حصہ پنجم

یہود --- اقتدار مصر سے
قیامِ اسرائیل تک

یہود --- اقتدار مصر سے قیامِ اسرائیل تک

یہود دنیا کی عجیب قوم ہے' اسے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام سے نسبت رکھنے اور ان کی وارث ہونے کا دعویٰ ہے مگر اس قوم کے افعال و کردار اس قدر گھناؤنے ہیں کہ انھیں انبیاء علیہم السلام کے پاکیزہ کردار سے کوئی بھی مناسبت نہیں ہو سکتی۔ یہود کو سب سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کی قیادت میں مصر میں اقتدار ملا تھا مگر یہ اس کے اہل ثابت نہ ہوئے اور اپنی بداعمالیوں کے باعث بتدریج قبطیوں (آل فرعون) کے غلام بن گئے۔ پھر صدیوں بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام انھیں قوم فرعون کی غلامی سے چھڑا کر فلسطین لائے جہاں فلستی اور دیگر قومیں پہلے سے آباد تھیں۔ لیکن فلسطین آ کر بھی بنی اسرائیل کی فطرت نہ بدلی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر تشریف لے گئے تو ان کے پیچھے بنی اسرائیل نے سامری کی حیلہ سازی سے توحید الٰہی چھوڑ کر بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ پھر حضرت طالوت' حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کے عہد میں اس قوم کو اقتدارِ حکومت سے نوازا گیا جو انھیں راس نہ آیا اور جلد ہی یہ ٹکڑوں میں بٹ گئے اور کفر کی راہ پر چل نکلے۔

بنی اسرائیل بتدریج کفر و شرک میں اس قدر غرق ہوتے چلے گئے کہ انھیں پے در پے اپنی ہدایت کے لیے مامور نبیوں کو قتل کرنے میں بھی کوئی باک نہ تھا' چنانچہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب کبھی شاہ اشور سارگون اور کبھی شہنشاہ بابل بخت نصر کی شکل میں نازل ہوا۔ بخت نصر نے تو یروشلم (بیت المقدس) کی اینٹ سے اینٹ بجا دی' ہیکل سلیمانی مسمار کر دیا اور دس لاکھ یہودیوں کو غلام بنا کر عراق لے گیا۔ اگلی صدیوں میں یونانی' ایرانی اور رومی فلسطین کو تاخت و تاراج کرتے رہے۔ اس کے باوجود یہود کا وتیرہ نہ بدلا۔ وہ اس قدر مجسم برائی بن چکے تھے کہ

انھوں نے اللہ کے نبی حضرت یحییٰ علیہ السلام کو رومیوں کے ہاتھوں شہید کروا دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی جان کے درپے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اس آخری نبی کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔ یہود کی ان سیاہ کاریوں کے نتیجے میں ایک بار پھر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا' رومی سپہ سالار ٹائٹس نے ۷۰ء میں بیت المقدس کو تباہ و برباد کر کے ہیکل سلیمانی کا کوئی نشان تک نہ چھوڑا۔ اس کے ساٹھ ستر سال بعد رومی شہنشاہ ہیڈریان نے اس بدبخت قوم کو فلسطین سے جلاوطن کر دیا اور وہ دنیا بھر میں مارے مارے پھرتے رہے۔ رومیوں نے ساحل بحیرۂ روم پر آباد قدیم فلستی باشندوں کے نام پر اس سرزمین کا نام ''فلسطین'' رکھ دیا۔

اگلی سترہ اٹھارہ صدیوں کے دوران یہود نے اکناف عالم میں بدترین غلامی کا مزہ چکھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں آفتابِ اسلام طلوع ہوا تو نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لانے کے بجائے انھوں نے دشمنی اور مخالفت کی روش اختیار کی۔ اس کے نتیجے میں انھیں مدینہ منورہ اور خیبر سے بھی جلاوطن ہونا پڑا۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپی مسیحی ممالک فرانس' ہالینڈ' جرمنی' اسپین وغیرہ نے یکے بعد دیگرے یہودیوں کو اپنے ہاں سے جلاوطن کیا۔ اس دوران یہودیوں کو اگر کہیں پناہ ملی تو وہ اسلامی اسپین یعنی اندلس (۱۴۹۲ء۔ ۷۱۱ء) تھا یا پھر سلطنت عثمانیہ (۱۹۲۳ء۔ ۱۲۹۰ء) تھی جس نے یورپی مسیحیوں کے ستائے ہوئے یہودیوں کو اپنے ہاں امن کی جگہ دی۔ لیکن یہ بدنہاد قوم اس قدر ناشکری ثابت ہوئی کہ بالآخر اس نے سلطنت عثمانیہ کی شکست و ریخت میں اہم کردار ادا کیا اور آج بھی ملت اسلامیہ کے سب سے بڑے دشمن یہودی ہیں۔ انھوں نے اسلام دشمن مغربی مسیحی ممالک کی عملی مدد اور سرپرستی سے ارض فلسطین پر گزشتہ نصف صدی سے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے بلکہ سازشوں اور مسلمانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر بیت المقدس بھی ہتھیا لیا ہے جہاں مسلمانوں کا قبلۂ اول ''مسجد اقصیٰ'' ہے جو اسی طرح شہید کر دیے جانے کے خطرے سے دوچار ہے جس طرح دس برس پہلے جنوبی بھارتی

ہندوؤں نے اجودھیا کی تاریخی بابری مسجد شہید کر دی تھی اور عالم اسلام "ٹک ٹک دیدم' دم نہ کشیدم" کی تصویر بن گیا تھا۔

یہودیوں نے اپنی مزعومہ "ارض موعود" حاصل کرنے کے لیے صدیوں پر محیط اپنے دورِ غلامی میں بڑی کاوش اور محنت کی۔ اس دوران میں دنیا بھر کے یہودی ہفتے میں چار مرتبہ دعائیں مانگتے رہے کہ یروشلم پھر ہمارے ہاتھ آئے اور ہم وہاں ہیکل سلیمانی پھر تعمیر کریں۔ اس سود خور قوم نے بتدریج اپنا سودی کاروبار پھیلایا اور دنیا کی مختلف قوموں کو اپنے سرمایے کے شکنجے میں جکڑ لیا' چنانچہ دورِ جدید کا بینکاری نظام یہود کی اقتصادی قوت کا ایک ادنیٰ شاخسانہ ہے۔ انیسویں صدی کے آخری عشرے میں انھوں نے صہیونی تحریک کا آغاز کیا جس کا مقصد دنیا کے سیاسی و اقتصادی نظام کو کنٹرول کرتے ہوئے فلسطین پر قبضہ جمانا تھا' چنانچہ صہیونی یہودیوں نے خلافت عثمانیہ کے تاجدار عبدالحمید ثانی سے درخواست کی کہ اگر فلسطین کو یہود کا وطن قرار دے دیا جائے تو وہ خلافت عثمانیہ کے تمام قرضے ادا کر دیں گے' مگر خلیفہ نے ان کی پیشکش حقارت سے مسترد کر دی۔ اس کے چند سال بعد 1908ء میں ترکی کی نام نہاد "انجمن اتحاد و ترقی" نے خلیفہ عبدالحمید ثانی کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔ ستم ظریفی یہ رہی کہ خلیفہ سے استعفا لینے کے لیے جو سہ رکنی وفد ان کے پاس گیا تھا' اس میں وہ ترک یہودی حاخام قرہ صو آفندی بھی شامل تھا جو سات سال پہلے دربارِ خلافت میں صہیونی لیڈر ہرتزل کا پیغام لے کر گیا تھا۔ اس دوران یہودیوں نے یورپ کے مختلف ممالک اور امریکہ کو اپنے سودی اقتصادی نظام میں بری طرح جکڑ لیا تھا۔ ارضِ فلسطین کے حوالے سے اپنے پوشیدہ عزائم کو عملی جامہ پہنانے اور دنیا بھر کو اپنے اقتصادی و سیاسی شکنجے میں کسنے کے لیے یہودیوں نے ایک طے شدہ منصوبے پر کام شروع کیا۔ یورپی ممالک کو باہم لڑا کر اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے ایک طرف بین الاقوامی جنگوں کا سلسلہ شروع کیا گیا اور دوسری طرف روس کی زرخیز سرزمین میں کمونزم کا پودا

کاشت کیا گیا' چنانچہ اس امر پر کوئی حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ بابائے کمونزم کارل مارکس ایک جرمن یہودی تھا اور اگرچہ روس میں یہودی ایک معمولی سی اقلیت تھے مگر نومبر ۱۹۱۷ء میں وہاں اشتراکی انقلاب برپا کرنے والی قیادت تمام تر یہودی تھی۔ سوویت روس کا پہلا سربراہ لینن ماں اور باپ دونوں کی طرف سے یہودی تھا' ٹراٹسکی بھی اصیل یہودی تھا اور دوسرے کمونسٹ آمر سٹالن (۵۳-۱۹۲۴ء) کی ماں یہودن تھی اور سٹالن کے بعد برسراقتدار آنے والے خروشیف' کوسیجن' بریژنیف' چرننکو' آندروپوف وغیرہ سب یہودی تھے۔ اور یہ بات اپنی جگہ دلچسپ ہے کہ روس میں کمونسٹ انقلاب لانے والے تو یہودی تھے ہی مگر جس شخص نے روس میں کمونزم کا کریا کرم کیا وہ بھی ایک یہودی میخائل گورباچوف تھا' حتیٰ کہ اس کی اہلیہ رئیسہ بھی یہودن تھی۔ گورباچوف نے اپنے ۶ سالہ دور (۹۱-۱۹۸۵ء) میں ایک ہی کام کیا اور وہ تھا سوویت یونین کا انہدام اور وہاں اشتراکی نظام کا خاتمہ (یاد رہے کمونزم کا پہلا درجہ سوشلزم یا اشتراکیت کہلاتا ہے۔ سوویت روس کو عام سیاسی اصطلاح میں کمونسٹ ملک کہا جاتا تھا مگر کمونزم کا ''مثالی'' دور آنے سے پہلے ہی اس کا پائے چوبیں بے تمکین ثابت ہوا اور روس میں یہ نظام بری طرح ڈھے گیا۔) سوال اٹھتا ہے کہ ایک یہودی لینن نے روس میں کمونزم کی بنیاد رکھی مگر ۷۴ سال بعد ایک یہودی گورباچوف نے اسے دریابرد کر دیا' یہ کیسے ممکن ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بیسویں صدی کے شروع میں استعماری اقوام کسی نہ کسی شکل میں جمہوریت کی علمبردار تھیں اس لیے استعماری قوموں کی غلامی کے شکنجے میں گرفتار قوموں کے لیے جمہوریت میں کچھ زیادہ زیادہ کشش نہیں ہوسکتی تھی' چنانچہ اب کسی نئے جذباتی اپیل رکھنے والے نظریے کی ضرورت تھی جو محکوم اور عدم استحکام کی شکار اقوام کے ذہنوں میں بیٹھتا چلا جائے اور ایسا نظریہ کمونزم تھا جس میں ہر قوم اور ہر معاشرے کے پسماندہ افراد کے لیے بڑی اپیل تھی۔ پھر یہ بات بھی تھی کہ نصف صدی بعد جب اسرائیل کا قیام عمل میں لایا جانا تھا اس سے پہلے اور اس کے فوراً بعد

بڑے پیمانے پر یہودی افرادی قوت درکار تھی۔ وہ افرادی قوت مغربی یورپ اور امریکہ کے خوشحال جمہوری معاشروں سے تو میسر نہیں آ سکتی تھی' اس کی فراہمی کے لیے ایسے ممالک درکار تھے جہاں ظلم و جبر کا نظام ہو اور یہودی باشندے اس نظام سے بھاگ کر فلسطین آنے پر آمادہ ہو سکیں' چنانچہ روس اور مشرقی یورپ کے دیگر ممالک سے لاکھوں یہودی کمونسٹ جبر سے جان چھڑا کر پہلے برطانوی مقبوضہ فلسطین اور پھر اسرائیل میں آباد ہوتے گئے اور مئی ۴۸ء میں جب "اسرائیل" کے قیام کا اعلان کیا گیا تو اسے تسلیم کرنے والا پہلا ملک سوویت روس تھا۔ اور پھر کمونسٹ جبر کے نتیجے میں ایک روز لاوا پھٹنا ہی تھا' اس لیے اب کمونزم کا خاتمہ ہی بہتر تھا۔

۱۹۹۱ء میں یہودی گورباچوف نے کمونسٹ روس کو پندرہ ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا اور اس کے ساتھ ہی وہاں کمونزم کا خاتمہ ہو گیا کیونکہ اس دوران اسرائیل مستحکم ہو چکا تھا اور اسے مزید یہودی آبادکاروں کی اب کوئی خاص ضرورت نہیں تھی۔ اور پھر کمونسٹ جبر کے نتیجے میں ایک روز لاوا پھٹنا ہی تھا' اس لیے اب کمونزم کا خاتمہ ہی بہتر تھا۔ ایک سپر ایٹمی طاقت کی حیثیت سے سوویت روس کا اسرائیل کے اصل سرپرست امریکہ کے مقابلے میں کھڑا رہنا بھی خفیہ عالمی صہیونی طاقت کے مزید مفاد میں نہیں تھا اس لیے کمونزم کی شکست وریخت کا فیصلہ کر لیا گیا۔ پھر کمونزم صہیونیوں کے حسب خواہش ایک اور کارنامہ بھی انجام دے چکا تھا' وہ تھا عالم اسلام کی تحریکی روح کو کچلنا۔ ۳۰-۱۹۲۰ء کی دہائیوں میں روسی استعمار کی غلامی میں گرفتار ترکستان کی اسلامی روح کھینچ لی گئی کیونکہ اسی خطے سے صدیوں تک آس پاس کے اسلامی ممالک اور برصغیر کے مسلمانوں کو فکری و سیاسی توانائی فراہم ہوتی رہی تھی۔

"کمونسٹ" روسی یہودیوں نے وسط ایشیا کے اسلامی مدارس بند کر دیے۔ مسجدوں کو دفاتر اور عجائب گھروں میں تبدیل کر لیا گیا۔ عربی زبان کی تعلیم' اذان' نماز' ڈاڑھی' حجاب غرض ہر اسلامی شعار پر پابندیاں لگ گئیں۔ ترکستانی مسلمانوں کو ذہنی دھلائی کے لیے وہاں عربی رسم

الخط کے بجائے لاطینی رسم الخط رائج کیا گیا اور جب ترکی نے مصطفیٰ کمال پاشا کے زیر حکومت لاطینی رسم الخط اپنا لیا تو روسیوں نے ترکستان کے مسلم علاقوں ازبکستان' تاجکستان' ترکمانستان' کرغیزستان' قازاقستان' آذربائیجان وغیرہ میں روسی رسم الخط نافذ کر دیا تاکہ ترکستانی مسلمانوں کا ترکیہ کے برادر مسلمان ترکوں سے کوئی علمی وثقافتی رابطہ برقرار نہ رہ سکے۔

دوسری طرف جن مسلمان ملکوں نے یورپی سامراجیوں سے آزادی حاصل کی' انھیں سوشلزم کا سراب دکھا کر باہم دست وگریبان رکھا گیا۔ انڈونیشیا' مصر' عراق' شام' شمالی یمن' صومالیہ' لیبیا' الجزائر' مالی' افغانستان' جنوبی یمن' پاکستان' تنزانیہ' سوڈان' گنی وغیرہ یکے بعد دیگرے اشتراکی فوجی وسیاسی انقلابات کی لپیٹ میں آتے چلے گئے۔ اشتراکی اور غیر اشتراکی کی تقسیم نے عالم اسلام کو کبھی حقیقی طور پر متحد نہ ہونے دیا۔ ان ملکوں میں نہ اسلامی نظام اپنایا جا سکا نہ حقیقی جمہوریت متعارف ہو سکی بلکہ ان میں سے بیشتر میں مستبد آمرانہ حکومتیں قائم ہیں جو اکثر مغرب کی آلہ کار ہیں۔ عراق' مصر' شام' الجزائر' متحدہ یمن' لبیا' پاکستان' افغانستان وغیرہ اس کی بین مثالیں ہیں۔

عالمی صہیونی تحریک نے اپنے خفیہ مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لیے عالمی جنگیں برپا کیں۔ پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) کے دوران بیت المقدس مسلمانوں سے چھن گیا اور فلسطین پر قبضہ جمانے والی قوت برطانیہ نے خفیہ معاہدہ بالفور (۱۹۱۷ء) کے تحت یہودیوں کو فلسطین میں بسانا شروع کر دیا۔ اس دوران جرمنی میں نازی تحریک اٹھائی گئی جس نے جرمنی میں برسر اقتدار آنے اور آس پاس کے ممالک پر قابض ہونے کے بعد یہودیوں کی دار وگیر شروع کی۔ اس طرح پولینڈ' جرمنی' چیکوسلاویکیا' ہنگری' آسٹریا وغیرہ کے یہودی فرار ہو کر اسرائیل میں آباد ہوتے چلے گئے۔ گویا کمیونزم کی طرح ہٹلر کے نازی ازم نے بھی بالواسطہ طور پر یہودیوں کے خفیہ مقاصد کی آبیاری کی۔ پھر ۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم شروع کروا دی گئی

جس سے فلسطین کی طرف یہودیوں کی نقل مکانی میں تیزی آتی گئی۔

اسرائیل کا اصل مربی اور سرپرست امریکہ ہے۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں فلسطین کی غیر منصفانہ تقسیم میں یہود نواز امریکی صدر ٹرومین کا کردار نہایت گھناؤنا تھا۔ دوسری جنگ عظیم میں جرمنی اور جاپان کی مکمل شکست کے بعد امریکہ عالمی طاقت بن گیا تھا۔ برطانیہ فلسطین کا ورثہ ''اقوام متحدہ'' کے سپرد کر کے الگ ہو گیا اور ''اقوام متحدہ'' جو صہیونی منصوبے کے تحت قائم کی گئی تھی' امریکہ کی جیب میں تھی' چنانچہ صدر ٹرومین نے اقوام متحدہ کے رکن ممالک پر دباؤ ڈال کر یہودیوں کو ان کی آبادی سے کہیں زیادہ علاقہ (نصف سے زائد) دلوا دیا۔ اس وقت فلسطین میں عربوں کی آبادی ۱۲۴۷۳۳۲ تھی جبکہ یہودی صرف ۶۰۸۲۲۵ تھے یعنی مسلمانوں کی آبادی یہودیوں کی نسبت دو گنا سے بھی زائد تھی۔

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو صہیونیوں نے یکطرفہ طور پر ''اسرائیل'' کی آزادی کا اعلان کیا اور ان کی طرف سے یہ کہا گیا ''ہم اپنے قدرتی اور تاریخی حق کی بنا پر...... یہاں ارض اسرائیل میں ایک یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کرتے ہیں' یعنی ریاست اسرائیل۔''

یہ ایک بہت بڑا دھوکا تھا۔ تاریخی لحاظ سے یہودی فلسطین کے قدیم ترین باشندے نہیں اور نہ وہ یہاں اتنا عرصہ آباد رہے جتنا کہ دوسری اقوام۔ جدید ماہرین آثار قدیمہ اب اس بات پر بالعموم اتفاق کرتے ہیں کہ یہاں کے قدیم ترین باشندے ۳۰۰۰ ق م سے لے کر تقریباً ۱۷۰۰ ق م تک کنعانی اور مصری تھے۔ پھر یکے بعد دیگر ہکسوس (چرواہے)' ہتی اور فلستی (فلسطینی) آئے۔ یہودی حکومت کا عہد ۱۰۲۰ ق م سے شروع ہو کر ۵۸۷ ق م تک رہا۔ اس کے بعد اشوری' بابلی' مصری اور یونانی اس علاقے کو روندتے رہے حتی کہ ۱۶۴ ق م میں عبرانی مکابیوں (یہودیوں) نے اپنا اقتدار جزوی طور پر بحال کیا اور آخر کار ۶۳ ق م میں رومیوں نے فلسطین کو سلطنت روما میں ضم کر لیا۔ پھر ۷۰ء میں یہودیوں کی جلاوطنی کے بعد عرب قبائل

فلسطین میں آباد ہوئے۔

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو تل ابیب میں صہیونیوں جو اجلاس ہوا جس میں ''قدرتی اور تاریخی حق'' کے طور پر اعلان آزادی کیا گیا' اس میں صرف ۳۷ افراد شریک ہوئے تھے۔ ان کے اس اقدام کی بین الاقوامی قانون میں کوئی مستند حیثیت نہیں کیونکہ وہ اس وقت کی آبادی کی اکثریت (مسلمانوں) کی نمائندگی نہیں کرتے تھے۔ درحقیقت ان میں سے صرف ایک فلسطین کا پیدائشی شہری تھا۔ ۳۵ شرکاء یورپی ممالک سے ترکِ وطن کر کے آئے ہوئے یہودی تھے اور ایک یمن کا یہودی باشندہ تھا۔ فلسطینی دانشور عیسیٰ نخلہ کے بقول ''یہودی اقلیت کو ایک ایسے علاقے میں اپنی آزاد ریاست کے قیام کا اعلان کرنے کا کوئی حق نہیں تھا جہاں فلسطینی عرب قوم آبادی تھی۔''

حصہ ششم

فرنگ کی رگ جاں پنجہ

یہود میں

فرنگ کی رگِ جان پنجۂ یہود میں

حکیم الامت علامہ اقبال نے کوئی پون صدی پہلے فرمایا تھا ۔

فرنگ کی رگ جاں پنجۂ یہود میں ہے

آج فرنگ کی نمایندگی امریکہ کر رہا ہے اور اس کی رگِ جاں فی الحقیقت پنجۂ یہود میں ہے۔ امریکہ کے اقتصادی' سیاسی' صنعتی' صحافتی تمام ادارے یہودیوں کی مٹھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی صدارت کا کوئی امیدوار اسرائیل کی خوشنودی سے صرف نظر نہیں کر سکتا کیونکہ انتخاب جیتنے کے لیے وہ یہودیوں کی حمایت کا محتاج ہوتا ہے اور منتخب ہونے کے بعد بھی وہ اسرائیل کی بڑھ چڑھ کر حمایت کرتا ہے۔ امریکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں ہر اس قرارداد کو ویٹو کر دیتا ہے جو اسرائیل کے لیے ذرا بھی بارِ خاطر ہو۔ اسرائیل کی امریکی پشت پناہی کا ثبوت جناب حسین احمد پراچہ کے بیان کردہ ایک واقعے سے بھی ملتا ہے جو نوائے وقت میں شائع ہوا ہے۔ حسین احمد پراچہ لکھتے ہیں:

''۸۰ء کی دہائی میں میرے کیمبرج یونیورسٹی میں قیام کے دوران ہفتے میں ایک دو روز چائے کی محفل اچھے خاصے بین الاقوامی اجتماع کی صورت اختیار کر لیتی۔ ارل گرے چائے کی مہک کے ساتھ دنیا کے ہر موضوع پر تلخ و شیریں گفتگو میں اہل مجلس گرمجوشی سے حصہ لیتے۔

ایسی ہی ایک محفل میں صابرہ اور شتیلہ کے فلسطینی مہاجر کیمپوں پر اسرائیل مظالم کے حوالے سے مسئلہ فلسطین زیر بحث تھا۔ برطانوی ٹیچر سائمن' یونانی طالبہ کرسٹینا' ایک ہسپانوی استاد اور اسرائیلی ٹیچر شیرا کے علاوہ اس فقیر سمیت سبھی اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔ خیالات کا اظہار کیا سبھی شرکائے محفل اسرائیل کی بربریت کی مذمت کر رہے تھے اور شیرا اس ظلم و بربریت کا دفاع کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ جب اسرائیلی ٹیچر اخلاقی ضابطوں' منطق

اور سیاسی و قانونی دلائل اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کے تذکرے کے سامنے بے بس ہو گئی تو اس نے اپنے اوپر سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا: ''خواتین و حضرات! فلسطینی چاہے جتنی بین الاقوامی قراردادوں کا انبار اکٹھا کر لیں وہ جتنی چیخ پکار کر لیں مگر دنیا کو ایک بات جان لینی چاہئے کہ دنیا کی سب سے بڑی فوجی' اقتصادی اور سیاسی طاقت ہمیں اسلحہ بھی دے رہی ہے اور مالی امداد بھی۔ نیز یہ طاقت ہمارا ہر قیمت پر دفاع کرے گی۔ ہمارے غلط کو درست اور دوسروں کے درست کو ہماری خاطر غلط کہے گی۔ اس لیے تم لوگ خواہ مخواہ جذباتی ہونے کی کوشش نہ کرو'' البتہ فلسطینیوں تک میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ اپنا مزید نقصان نہ کریں اور خاموشی سے اپنا وقت گزاریں۔''

تب ۸۰ کی دہائی کے اوائل میں کیمبرج یونیورسٹی کے کیفے ٹیریا میں مختلف اقوام سے تعلق رکھنے والے صاحبان علم و ادب نے شیرا کی بات سے اختلاف کیا اور کہا کہ امریکہ دنیا میں انسانی حقوق' شہری آزادیوں اور قوموں کے حق خود ارادیت کا سب سے بڑا رکھوالا ہے' وہ فلسطینی عوام کو ان کا چھینا ہوا وطن واپس دلائے گا۔

لیکن گزشتہ بیس برس کے سیاسی حقائق نے اسرائیلی ٹیچر شیرا کی بات کو سچ ثابت کر دیا ہے۔ اقوام متحدہ' جنیوا اجلاس' یورپی یونین اور نہ جانے دنیا کے کون کون سے ادارے قرار دادوں کے انبار لگاتے جاتے ہیں مگر اسرائیل ان قراردادوں کو پرکاہ کی حیثیت بھی دینے کو تیار نہیں۔ اسرائیل نے فلسطینی علاقوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ وہ فلسطینی علاقوں پر بستیاں تعمیر کر رہا ہے۔ وہ فلسطینیوں کی اقتصادی ہلاکت کے لیے ان کو اپنے ہی علاقوں میں نقل و حمل کی اجازت دینے پر بھی تیار نہیں۔ اس نے فلسطین کے ساتھ جو نام نہاد معاہدۂ امن کر رکھا ہے اس پر بھی وہ عمل کرنے پر آمادہ نہیں۔ وہ فلسطین میں جگہ جگہ شہریوں کا قتل عام کر رہا ہے۔ اس پر فلسطینی احتجاج کرتے ہیں تو اسرائیل ان پر گن شپ ہیلی کاپٹروں سے راکٹ' ایف ۱۶ سے بم اور ٹینکوں سے گولے برساتا ہے۔'' (''نوائے وقت'' ۳ جنوری ۲۰۰۲ء)

اس وقت امریکہ کی قیادت میں مغرب کے یہود و نصاریٰ نے عالم اسلام پر یلغار کر رکھی ہے۔ حریت کیش مسلمانوں کے خطۂ افغانستان پر کفار مغرب قابض ہو چکے ہیں جبکہ مسلمان خواب غفلت میں پڑے ہیں۔ نفاق' بے عملی اور دین سے بے رخی کا گھن ان کی توانائیوں کو کھائے چلا جا رہا ہے اور اسلام دشمن یہود و ہنود اور مسیحی ہر میدان میں کامیاب ہیں۔ یکے بعد دیگرے پسپائیاں مسلمانوں کا مقدر بن چکی ہیں اور ان کے حکمران دشمنانِ اسلام کے ادنیٰ کارندے بنے ہوئے ہیں۔ یہ صورتِ حال ہر مخلص مسلمان کے لیے سوہانِ روح ہے اور اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ مسلمان دین اسلام سے سچی اور عملی وابستگی اختیار کریں' دورنگی اور منافقت چھوڑ دیں اور عالم کفر کی سازشوں کے مقابلے میں متحد ہو جائیں کہ اسی میں ان کی بقا ہے۔

یہودیوں نے سترہ اٹھارہ صدیوں کی غلامی اور دنیا میں مارے مارے پھرنے (Diaspora) کے بعد سرمائے اور سازش کے ذریعے طاقت حاصل کر کے ''ارض موعود'' پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے اصل باشندوں فلسطینی مسلمانوں کو ادھر ادھر کھدیڑ دیا ہے اور جو بیس پچیس لاکھ مسلمان فلسطین میں رہ گئے وہ بھی آئے دن غاصب یہودیوں کے ہاتھوں اپنی زمینوں اور گھروں سے بے دخلی اور ہلاکتوں کے خطرے سے دوچار ہیں۔ نیز مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ (مسجد عمر) کو نیست و نابود کرنا اسرائیلی یہودیوں کا طے شدہ منصوبہ ہے جسے عالم اسلام کی متحدہ کاوش ہی سے ناکام بنایا جا سکتا ہے۔

اس وقت دنیائے اسلام اگرچہ داخلی انتشار اور مغرب کے آگے خود سپردگی کی کیفیت میں ہے لیکن مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ حالات سے مایوس نہ ہوں اور بمصداق آیۂ قرآنی ﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ سچے' مخلص اور باعمل مسلمان بن جائیں۔ صرف اسی صورت میں ہماری نجات اور عالم اسلام کا علو و غلبہ ممکن ہے۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

❁❁❁

حصہ ہفتم

گزشتہ ایک صدی کی جنگیں جن سے یہودیوں کو فائدہ پہنچا

گزشتہ ایک صدی کی جنگیں

جن سے یہودیوں کو فائدہ پہنچا

۱۸۹۷ء میں صہیونی بڑوں کے سیاسی نوشتے (Protocols of Zion Elders) مرتب ہونے کے بعد دنیا میں برپا ہونے والی ہر اہم جنگ سے یہودیوں کو فائدہ پہنچا ہے یا مسلمانوں کی جمعیت و طاقت زوال کا شکار ہوئی ہے۔ جنگ طرابلس (۱۹۱۱ء) میں مسلمانوں کے ہاتھ سے لیبیا چھن گیا (جو اس زمانے میں طرابلس کہلاتا تھا مگر آج صرف لیبیا کے دارالحکومت کا نام طرابلس ہے۔) جنگ بلقان (۱۳-۱۹۱۲ء) میں البانیہ' کوسووا اور مغربی تھریس کے مسلم ترک خطے سلطنت عثمانیہ کے قبضے سے نکل گئے۔ کوسووا پر سربیا نے اور مغربی تھریس پر یونان نے قبضہ جما لیا۔ جنگ عظیم اوّل (۱۸-۱۹۱۴ء) میں سلطنت عثمانیہ کی شکست و ریخت ہوئی۔ فلسطین' اردن اور عراق برطانیہ نے ہتھیا لیے اور لبنان اور شام پر فرانس نے تسلط جما لیا۔ یوں بیت المقدس اور پورا فلسطین برطانیہ کے کنٹرول میں جانے سے وہاں یہودیوں کی بڑے پیمانے پر آبادکاری کی راہ ہموار ہو گئی۔ ۱۹۲۲ء میں نام نہاد ''جمعیت اقوام'' (لیگ آف نیشنز) نے فلسطین برطانیہ کے انتداب (Mandale) میں دیتے ہوئے ہدایت کی کہ فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے کے لیے ہر طرح کی آسانیاں فراہم کرے۔ یوں جمعیت اقوام نے علامہ اقبال کے الفاظ میں ''داشتۂ افرنگ'' ہونے کا ثبوت دیا۔

پہلی جنگ عظیم میں محوری طاقتوں جرمنی اور آسٹریا کے ساتھ ترکوں کی شکست کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ خاص ترکوں کے علاقے اناطولیہ (ایشیائے کوچک) اور یورپی ساحل پر قسطنطنیہ (استنبول) اور مشرقی تھریس تک محدود رہ گئی تھی۔ ۱۹۲۰ء میں اتحادیوں کی شہ پر یونان

نے اس پر حملہ کر دیا۔ ترکی یونان جنگ (۲۲-۱۹۲۰ء) اگرچہ ترکوں نے مصطفیٰ کمال پاشا کی قیادت میں جیت لی' یونانیوں' اطالویوں اور فرانسیسوں کو ترک علاقوں سے نکال باہر کیا گیا اور مصطفیٰ کمال نے ''غازی'' کا لقب پایا مگر اس ''غازی'' نے اگلے ہی سال مسلمانوں کے اتحاد کی علامت خلافت عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا اور پھر یہود و نصاریٰ کے اس ''شاگرد خبیث'' نے عالم اسلام کے بازوئے شمشیر زن ترکی کو سیکولرزم کی راہ پر ڈال دیا۔ چند برسوں میں دیکھتے دیکھتے شرعی قوانین ختم کر دیے گئے اور ان کی جگہ یورپی قوانین جاری ہوئے۔ اسلامی لباس کی جگہ یورپی لباس لازم قرار پایا۔ عورتوں کے لیے حجاب کی ممانعت کر دی گئی۔ ترکی زبان کا عربی رسم الخط چھوڑ کر لاطینی رسم الخط اپنا لیا گیا تاکہ ترکوں کا رابطہ اسلامی ورثے سے منقطع کیا جا سکے۔ عربی کی تعلیم روک دی گئی اور عربی میں اذان ممنوع قرار پائی۔

مصطفیٰ کمال کے انھی اقدامات کی وجہ سے مخلص ترک مسلمان اسے یہودی کہتے ہیں۔

اس کا ترکی میں لگایا ہوا سیکولرزم کا پودا آج تناور درخت بن چکا ہے۔ ترک فوج سیکولر فوج ہے' اس میں وقتاً فوقتاً چھانٹی کر کے دینی رجحان رکھنے والے افسروں کو نکال باہر کیا جاتا ہے۔ ترکی کی سیکولر فوج وہاں سیکولرزم (لادینیت) کی محافظ بنی ہوئی ہے۔ ترکی یورپی و امریکی دفاعی معاہدے ''نیٹو'' میں بندھا ہوا ہے' انسرلک (اناطولیہ) میں امریکہ نے بہت بڑا فضائی اڈا قائم کر رکھا ہے۔ خلیج کی جنگ (۱۹۹۱ء) کے دوران اور اس کے بعد انسرلک سے اڑنے والے امریکی طیارے عراق پر بمباری کرتے رہے ہیں اور حالیہ جنگ افغانستان میں بھی یہ اڈا طالبان اور القاعدہ کے ٹھکانوں پر بمباری کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اسرائیل کے قیام کے فوراً بعد ہی ترکی نے اس سے سفارتی تعلقات قائم کر کے فلسطین پر اس کے غاصبانہ تسلط کو تسلیم کر لیا تھا۔ ترکی اور اسرائیل میں دفاعی روابط بھی استوار چلے آ رہے ہیں۔

دوسری جنگ عظیم (۴۵-۱۹۳۹ء) سے بھی صہیونی تحریک کو بے پناہ فائدہ پہنچا۔ ہٹلر بجا

طور پر یہودیوں کو پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست کے ذمے دار ٹھہراتا تھا چنانچہ اس نے اپنے زیر قبضہ یورپ میں یہودیوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی تو یورپی یہودیوں کے فلسطین کی طرف ترک وطن کی رفتار تیز ہوگئی۔ یہ سب یہودی اعلیٰ تعلیم یافتہ' فنی ماہرین اور ہر شعبے میں تجربہ کار تھے اور ان کی آمد سے قیام اسرائیل کی راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد مشرقی یورپ کے ممالک پولینڈ' مشرقی جرمنی' چیکوسلواکیہ' ہنگری' رومانیہ' بلغاریہ اور یوگوسلاویہ کمیونزم کی گود میں ڈال دیے گئے اور جبر کے اس نظام کے تحت مشرقی یورپ سے یہودیوں کے انخلا اور فلسطین کی طرف ہجرت کا سلسلہ بدستور جاری رہا حتی کہ چیکوسلواکیہ کی اسلحہ سازی کی صنعت پہلی عرب اسرائیل جنگ (۱۹۴۸ء) میں یہودیوں کے بہت کام آئی۔ اس عرب اسرائیل جنگ کا فائدہ بھی اسرائیل کو پہنچا اور اس نے عربوں کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی طرف سے دیے گئے علاقوں سے کہیں زیادہ علاقے ہتھیا لیے حتی کہ جب جنگ ختم ہوئی تو یہودی فلسطین کے تقریباً ۷۸ فیصد رقبے پر قابض ہو چکے تھے۔

دوسری عرب اسرائیل جنگ (۱۹۵۶ء) کے وقت یہود و نصاریٰ کا ایک اور ایجنٹ جمال عبدالناصر مصر میں برسر اقتدار تھا۔ اس نے مصر کی اسلامی قوت ''اخوان المسلمون'' دو سال پہلے کچل ڈالی تھی اور عرب قومیت اور جاہلی ثقافت کو فروغ دے رہا تھا۔ ظاہر ہے صرف عرب قومیت کے نعرے پر فلسطین کی جنگ نہیں جیتی جا سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۵۶ء کی جنگ میں اسرائیل نے آبنائے تیران پر قبضہ کر کے بحیرہ قلزم کی طرف بھی جہاز رانی کا حق حاصل کر لیا مگر جمال عبدالناصر عربوں کو اپنی فتح کے جھوٹے فسانے سناتا اور کھوکھلے نعرے لگاتا رہا حتی کہ گیارہ سال بعد جنگی تیاری کے بغیر ہی اس نے آبنائے تیران کی ناکا بندی کر دی۔ اس وقت صدر ناصر کا بغل بچہ فلسطینی رہنما احمد الشکیری اسرائیل کو بحیرہ روم میں پھینک دینے کے جذباتی

نعرے لگا رہا تھا۔ ادھر اسرائیل نے آبنائے تیران کی ناکا بندی کے تین ہفتے بعد ۵ جون ۱۹۶۷ء کو اچانک مصر، اردن اور شام پر حملہ کر دیا۔ اسرائیلی فضائیہ نے پہلے ہی ہلے میں مصر کے تین سو سے زائد جنگی طیارے تباہ کر دیے۔ اس جنگ میں اسرائیل نے نہ صرف مصر سے صحرائے سینا اور غزہ کی پٹی ہتھیا لی بلکہ اردن سے بیت المقدس اور مغربی کنارہ اور شام سے جولان کی پہاڑیاں بھی چھین لیں۔ یوں ۱۰۹۹ء اور ۱۹۱۷ء کے بعد ۱۹۶۷ء میں تیسری بار بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گیا اور اس وقت سے ہمارے قبلۂ اوّل اور پورے فلسطین پر اسرائیلی یہودیوں کا قبضہ سارے عالم اسلام کے لیے سوہان روح بنا ہوا ہے۔

اکتوبر ۱۹۷۳ء میں صدر انور سادات نے صحرائے سینا اور نہر سویز کے مشرقی کنارے کا قبضہ چھڑانے کے لیے جنگ کا آغاز کیا۔ اس چوتھی عرب اسرائیل جنگ میں مصریوں نے نہر سویز تو پار کر لی مگر صحرائے سینا واپس نہ لے سکے کیونکہ امریکی سیاروں کی رہنمائی میں اسرائیلی فوج نے نہر سویز کے مغربی کنارے پر پہنچ کر تیسری مصری فوج کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ تب سادات کو مجبوراً جنگ بند کرنی پڑی اور اس نے برملا کہا ''میں اسرائیل سے تو لڑ سکتا ہوں مگر امریکہ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔'' اس کے بعد امریکہ نے سادات کو اسرائیل کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ ۱۹۷۷ء میں کیمپ ڈیوڈ (امریکہ) میں طے پائے معاہدے کی رو سے مصر نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا۔ یوں سب سے طاقتور عرب ملک مصر سے اپنا وجود تسلیم کروا کے اسرائیل نے ایک اور کامیابی حاصل کر لی۔ مصر کو اس کے صلے میں ۱۹۸۱ء میں صحرائے سینا تو واپس مل گیا مگر غزہ کی پٹی آج بھی اسرائیل کے قبضے میں ہے۔

۸۸-۱۹۷۹ء کی عراق ایران جنگ سے بھی اسرائیل نے فائدہ اٹھایا۔ اسرائیلی اسلحہ سی آئی اے کے تعاون سے ایران پہنچ کر جنگ کی بھٹی کو دہکاتا رہا۔ اس جنگ کی آڑ میں ۱۹۸۳ء میں اسرائیل کے بمبار طیاروں نے عراق کا ایٹمی پلانٹ ''اوسیرس'' تباہ کر دیا جس کے بارے

میں مغرب کو شبہ تھا کہ اگر یہ پلانٹ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تو عراق عالم عرب کی پہلی ایٹمی طاقت بن جائے گا جو اسرائیل کے لیے خطرناک ثابت ہوگی۔ ۱۹۹۰ء میں عراقی آمر صدام حسین نے ایک اور حماقت کی۔ اس نے کویت کے قرضے واپس کرنے کی بجائے اچانک کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ جمالیا اور پھر اقوام متحدہ کی قراردادوں اور دنیا بھر کی اپیلوں کے باوجود کویت خالی کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اپنے سکڈ میزائلوں سے تل ابیب کو تباہ کرنے کے نعرے بھی لگانے شروع کر دیے۔ اس پر مغرب نے عراق کے خلاف پروپیگنڈے کا طوفان کھڑا کر دیا اور پھر امریکہ ایک عالمی اتحاد بنا کر کویت اور عراق پر چڑھ دوڑا۔ جنوری فروری ۱۹۹۱ء کی اس خلیجی جنگ سے کویت تو آزاد ہو گیا مگر اس کی آڑ میں امریکہ نے خلیجی ممالک میں مستقل اڈے بنا لیے اور آج بھی امریکی فوجیں وہاں مقیم ہیں۔ بدقسمتی سے سعودی عرب اور دیگر خلیجی ریاستوں پر صدام کا اس قدر خوف مسلط تھا کہ وہ مغربی اتحادی ممالک کا ساتھ دینے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اس خلیجی جنگ نے آزادئ فلسطین کے مسئلے کو ہمیشہ کے لیے دریا برد بلکہ بحیرۂ روم میں غرق کر دیا۔ صدام کی حمایت کرنے کے جرم میں یاسر عرفات اس قدر نکو بنے کہ وہ امریکہ کے گھٹنے پکڑ کر معاہدہ اوسلو کے تحت اسرائیل کا وجود تسلیم کرنے اور نام نہاد ''سلطۃ فلسطینیہ'' پر قناعت کرنے پر مجبور ہو گئے جسے اسرائیلی حکومت کے تحت بمشکل پولیس کے اختیارات حاصل ہیں اور اسرائیلی فوج جب چاہتی ہے' فلسطینی پولیس چوکیوں کو تہس نہس کر دیتی ہے۔ بلکہ دسمبر ۲۰۰۱ء میں تو اسرائیلیوں نے یاسر عرفات کو ایک پرندے کی طرح رام اللہ کے قفس میں قید کر لیا۔

سعودی عرب اور دیگر خلیجی ممالک میں قائم امریکی و برطانوی فوجی اڈے برقرار رکھنے کا مقصد خلیجی تیل پر کنٹرول اور ان ممالک میں اسلامی احیاء اور آزادئ فلسطین کے حق میں اٹھنے والی تحریکوں کا سدباب تھا' اس میں مغرب کو بڑی حد تک کامیابی ملی۔ اس مغربی فوجی تسلط کے خلاف عرب ممالک میں اندر ہی اندر ایک احتجاجی تحریک پیدا ہوئی۔ اس تحریک کے قائدین

میں اسامہ بن لادن سرفہرست تھے انھیں عرب ممالک کے حکمرانوں کے امریکہ سے روابط گوارا نہ تھے اور وہ مغرب اور اسرائیل کے خلاف جدوجہد کے لیے کوئی ٹھکانہ چاہتے تھے۔ انھی دنوں قندھار اور کابل میں طالبان کے زیر قیادت ان مجاہدین کی حکومت قائم ہو گئی جنھوں نے ۱۹۸۰ء کی دہائی میں جارح روس کو افغانستان سے مار بھگایا تھا اور اس جہاد میں عرب مجاہدین اور دیگر اسلامی ملکوں کے رضا کار بھی افغانی بھائیوں کے شانہ بشانہ شامل رہے تھے۔ اب اسامہ کی تنظیم القاعدہ اور دیگر مجاہدین نے افغانستان میں جہادی مراکز قائم کر لیے۔ اس دوران کینیا اور تنزانیہ کے امریکی سفارت خانوں میں دہشت گردی کے واقعات ہوئے تو اگست ۱۹۹۸ء میں امریکی بحری جہازوں سے افغانستان پر کروز میزائل برسائے گئے۔ پھر ۲۰۰۰ء میں عدن کی بندرگاہ میں امریکی بحری جہاز ''کول'' کے 17 افراد بم دھماکے میں مارے گئے تو امریکہ نے افغانستان پر باقاعدہ حملے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سابق پاکستانی سفارتکار نیاز اے نائیک کے بقول انھیں ۱۱ ستمبر سے کئی ماہ پہلے جرمنی میں ایک کانفرس کے دوران ایک امریکی اہلکار نے بتایا تھا کہ افغانستان پر حملے کی تاریخ اکتوبر کی طے پا گئی ہے۔ اس دوران ۱۱ ستمبر کو نیو یارک اور واشنگٹن میں اغوا شدہ طیاروں سے تباہی کے واقعات پیش آ گئے تو امریکہ نے طالبان حکومت کو اسامہ بن لادن اس کے حوالے کرنے کا الٹی میٹم دیا۔ طالبان نے اس نازک مرحلے میں حکمت سے کام نہ لیا اور امریکہ سے ۱۱ ستمبر کے حادثات میں اسامہ کے ملوث ہونے کے ثبوت طلب کیے۔ لیکن امریکی صدر بش نے ثبوت پیش کرنے کے بجائے پاکستان کے صدر مشرف کو شیشے میں اتار کر پاکستان کی فضا اور چار فضائی اڈوں کے استعمال کا حق حاصل کر لیا اور پھر ۷ اکتوبر سے اتحادی طیارے افغانستان کے طول و عرض پر آتش و آہن کی بارش برسانے لگے۔ ادھر افغانستان کے شمالی اتحاد کے غداروں نے روسی ٹینکوں پر اور امریکی بمباری کی آڑ میں پیش قدمی کی۔ ۹ نومبر کو کابل اور ۷ دسمبر کو قندھار پر امریکیوں اور ان کے ایجنٹوں کا تسلط قائم ہو گیا۔

پورے عالم اسلام نے طالبان اور افغانستان کی تباہی کا تماشا دیکھا اور اب القاعدہ کے مجاہدین اور عالم اسلام کے منتخب سرفروشوں کو عبرتناک حالت میں کیوبا کے جزیرے پر قائم امریکی بحری اڈے پر منتقل کیا جا رہا ہے اور امریکی وزیر دفاع کہتا ہے کہ ان لوگوں کے کوئی حقوق نہیں، حالانکہ اسرائیل اور اس کا سرپرست امریکہ خود سب سے بڑے دہشت گرد ہیں!

ں جنگ افغانستان سے بھی اسرائیل کو فائدہ پہنچا ہے۔ اسے امریکہ اور نام نہاد اقوام متحدہ نے فلسطینی مسلمانوں کی تحریک آزادی انتفاضہ القدس کو کچلنے کی کھلی چھوٹ دے دی ہے۔ اسرائیلی حکومت نے یاسر عرفات کو مغربی کنارے کے شہر رام اللہ میں محصور کر رکھا ہے اور یہودی معاہدہ اوسلو کی دھجیاں بکھیر رہے ہیں۔ عالم اسلام کے لیے یہ لمحہ فکریہ ہے!

اسلام اور ملّت اسلامیہ کے خلاف یہودیوں کی دشمنی تاریخ کا ایک مستقل باب ہے۔ یہودِ مدینہ نے عہدِ رسالت مآب میں جو شورشیں اور سازشیں کیں ان سے تاریخ اسلام کا ہر طالب علم آگاہ ہے۔ گذشتہ چودہ صدیوں سے یہود نے مسلمانوں کے خلاف بالخصوص اور دیگر انسانیت کے خلاف بالعموم معاندانہ روّیہ اپنا رکھا ہے۔ ان دنوں انہوں نے اپنی سازشوں کے ذریعے پوری انسانیت کا امن تہہ و بالا کیا ہوا ہے۔ ارض فلسطین اور بیت المقدس کو انہوں نے گذشتہ نصف صدی سے جہنم زار بنا رکھا ہے۔ عالمی استعماری طاقتوں کے ساتھ ملی بھگت کے نتیجے میں انہوں نے فلسطینیوں کی سرزمین پر دھونس اور دھاندلی سے قبضہ جما رکھا ہے اور اپنے پروٹوکولز کی روشنی میں پورے عالم اسلام کے لیے خطرے کی علامت بنے ہوئے ہیں۔ امریکہ، برطانیہ حتی کہ اقوام متحدہ اس کے جارحانہ عزائم کے پشتی بان بنے ہوئے ہیں۔ نہتے فلسطینی مسلمان ان کے مسلح حملوں کی مستقل زد میں ہیں۔ ایمان اور بارود کا یہ مقابلہ نصف صدی سے جاری ہے۔ امت مسلمہ اور اس کے اجتماعی اداروں کی بے حسی نے یہود کی ظالمانہ کارروائیوں پر پراسرار چُپ سادھ رکھی ہے۔

حافظ محمد اسحٰق زاہد نے اپنی اس تصنیف کے چار ابواب میں جہاں کتاب وسنت سے بیت المقدس اور ارض فلسطین کی فضیلت بیان کی ہے، وہاں یہود کی سازشی تاریخ اور بالخصوص اسرائیل کے ناجائز اور ناروا قیام سے لے کر اب تک کی جارحانہ اور ظالمانہ کارروائیوں کا مختصر نقشہ بھی پیش کر دیا ہے۔ اس مختصر مگر مفید کتاب کے مطالعے سے اُردو خواں طبقے کو یہودیوں کی عالمی سازشوں کا پس منظر اور پیش منظر واضح دکھائی دے گا۔ کاش! امت مسلمہ اس فتنے کے تدارک کے لیے کتاب وسنت سے رہنمائی حاصل کر سکے۔